96

اسوۂ ابراہیمؑ

عبدالمجید قریشی
حمید انور

گوشۂ ادب۔ چوک انارکلی لاہور

Marfat.com

پرنٹر:- انشا پریس اردو بازار لاہور۔

پبلشرز:- ایم اے سلام۔ گوشہ ادب چوک انارکلی لاہور

۲۹۷۶۹۹۲
۶۵۳۴
۱۱۷۹۶
C/2
UNIVERSITY LIBRARY
DATA ENTERED

تعداد [illegible]

دسمبر سنہ ۱۹۶۰ء

قیمت [illegible]

بذریعہ چٹھی نمبر [illegible]

مورخہ ۲۷ اکتوبر سنہ ۱۹۵۳ء

فہرست

بیاد گار عبدالرحیم انور
مکتوب مہاجر

اسوۂ ابراہیم ؑ

حضرت ابراہیمؑ کے مختصر حالات
ابراہیمی زندگی کے ۴ ستون
ایمان باللہ بواسطہ مشاہدۂ فطرت
ایمان بالآخرت بواسطہ شواہد عادیہ
عمل صالح یعنی امتحان و قربانی
ا۔ بت شکنی
ب۔ ہجرت
ج۔ مقابلہ حکومت

ملت ابراہیم ؑ

خلیل اور مصطفےٰ میں مشابہت
مکۂ خلیل کی تعمیری اور تنظیمی حرکت
۱۔ روح اسلام، سمع و طاعت
۲۔ ملت کا نام، مسلمان
۳۔ پہلے امتحان، پھر امامت
۴۔ مرکز تنظیم و تبلیغ
۵۔ آئین فلاح ملت
۶۔ دعوت حج کانفرنس
۷۔ آرزوئے معمار امت (محمدؐ)

یادگار ابراہیم ؑ

قبل اسلام کی قربانیاں
اسلامی قربانی کی بنا
اسلامی قربانی کی جزا
اسلامی قربانی کے امتیازات
۱۔ قربانی کو تاریخ سے مربوط کرنا
۲۔ قربانی کا نظام قائم کرنا
۳۔ قربانی میں عید
۴۔ قربانی میں امتزاج روحانی و مادی
۵۔ قربانی سے اخلاق کی آبیاری
۶۔ قربانی کی قبولیت کا معیار
۷۔ ابراہیمی قربانیوں کا منتہا
ا۔ اخلاق ابراہیم ؑ
ب۔ ایثار خلیل ؑ
ج۔ مقام ابراہیم ؑ

خطبات ابراہیم ؑ

خطبۂ اول۔ ابراہیمی حکومت و ریاست
اسلامی حکومت و ریاست
۱۔ اسلامی ریاست کی دو بنیادیں

Marfat.com

۲۔ توحید میں اصل مشکل
۳۔ پیغام اسلام کا مرکزی نقطہ
۴۔ ماسوا کی بغاوت فرض ہے
۵۔ توحید اور شرک کی حقیقت
۶۔ خلاصہ بحث
ابراہیمی امامت کے لوازم۔
۱۔ حصول امامت کے لئے امتحان شرط
۲۔ ابراہیمی جانشینی کا قانون
۳۔ دنیائے اسلام کی موجودہ محرومی
۴۔ ہمارے چار ظلموں کا نتیجہ محرومی
طریق حصول خلافت
تنظیم جماعت کے تین نقاط
ا۔ خدا پرستی
ب۔ امن
ج۔ تنظیم
خطبہ دوم۔ جہاد ابراہیمی کی حقیقت
۱۔ رشتہ پدری کی قربانی
۲۔ قومیت کی قربانی
۳۔ قومی معبودوں کی قربانی
۴۔ بادشاہ سے بغاوت۔
۵۔ جان کی قربانی
۶۔ وطن کی قربانی
۷۔ عیال و اولاد کی قربانی
درجہ امامت کا حصول
درجہ امامت سے محرومی
خطبہ سوم۔ ابراہیمی اسلام کی حقیقت
پورے اسلام کی اطاعت
اطاعت حکم کا نمونہ
احکام شریعت الٰہی
خطبہ چہارم۔ عید قربان کا پیغام
اسلامی عید کی اساس اور ساخت
طہارت، صفائی، سادگی۔
اتحاد، اصلاح، اجتماع
تنظیم ملت اسلامیہ
ایثار و قربانی
خطبہ پنجم۔ اسلام کا انقلابی موحد
سراپا انقلاب ابراہیم خلیل
ڈوبنے والوں سے بغاوت
ابراہیمی انقلاب کا راس المال
ایمان باللہ کی حقیقت
ایمان کی طاقت کا راز
تخلیق ایمان کا طریقہ
ایمان کا نظام
تاریخ عرب میں تاریخ ایمان
رسول اللہ کے ایمان کی بیعت
ایمان کی تاریخی صولت

Marfat.com

خطبۂ ششم

اسمٰعیلؑ اور حسینؑ کا مشن

۱- زندگی کا قرآنی معیار
۲- آزمائش کی حقیقت
۳- آزمائش کا منتہا جہاد
۴- جہاد کے اقسام و فضائل
۵- شہید کیوں زندہ ہیں؟
۶- قیصریت کے اصول
۷- موازنہ خلافت و قیصریت
۸- داستانِ شہیدِ زوال
۹- حضرت اسمٰعیلؑ اور امام حسینؑ

خطبۂ ہفتم

دورِ زوال کے مسلمان

۱- امت ذہن کے چکر میں
۲- شفاعت کی آس
۳- درود و وظائف کی آس
۴- لفظی توبہ کی آس
۵- وسیلہ کی آس
۶- پیر صاحب کی آس
۷- مُردوں سے مدد مانگنا

خطبۂ ہشتم

بین الاقوامی نظام

۱- حج کی قرارداد کے الفاظ
۲- حج کے دو مقاصد
۳- حج، قومی افلاس کا علاج
۴- یہودیت اور نصرانیت کا انسداد
۵- حج کے منافع کی تشریح

اُسوۂ حسنہ ابراہیمؑ کی تحقیق

(از مولانا ابوالکلام آزاد)

۱- تعمیرِ کعبہ
۲- دعائے خلیلؑ کی قبولیت
۳- اُسوۂ ابراہیمؑ
۴- اسوۂ حسنہ کی تحقیق
۵- ظہورِ حنیفیت اسلامیہ
۶- عود الی المقصود
۷- حضرت ابراہیمؑ کی بُت شکنی
۸- کیا حضرت نے جھوٹ بولا؟
۹- دعوت و تبلیغ حق
۱۰- قیامِ حجت کا عملی طریقہ
۱۱- پجاریوں کا اعتراف پر مجبور ہونا
۱۲- اثباتِ کذب کی غلط توجیہہ

Marfat.com

۱۳ - روایت صحیحین   ۱۴ - مسلک تحقیق

بیادگار عبدالرحیم انور

ہر زندہ دل نوجوان کے نام

۱۹۱۹ء میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی اور اس نے بے قرار دلوں کے سامنے صرف ایک ہی نکتہ دلنواز پیش کیا، یہ کہ دنیائے اسلام کی بربادی کے ذمہ دار انگریز ہیں اس تلقین سیمابی نے ہندوستان کی رگ رگ میں ایک اضطراب عظیم پیدا کر دیا یہاں تک کہ دلوں کی بے قراریاں تحریک ہجرت کا ولولہ بن گئیں اور ہزارہا مسلمان اپنی زندگی کا تمام اثاثہ لٹا کر اپنی زمینیں اور جائدادیں بیچ کر اور اپنی محبت داریوں کے جیب و داماں کو دست جنوں کے حوالے کر کے قافلہ در قافلہ افغانستان کی طرف نکل کھڑے ہوئے ان قافلوں میں کئی نہایت ہی شاندار اور صاحب عزم نوجوان بھی شامل تھے۔ یہ نوجوان اس خیال سے ہندوستان سے نکلے تھے کہ وہ روسی اور افغانی فوجوں کے طوفانی سیلابوں کے ساتھ ہندوستان پر حملہ آور ہوں گے اور اپنے خون بے پناہ کی بادری سے حکومت انگریزی کو دھکیل کر بحر ہند میں ڈال دیں گے ایسے ہی جانباز نوجوانوں میں ایک شیر دل مہاجر عبدالرحیم انور تھا جس کی ہمت مردانہ کے ساتھ

یہ مشہور صحافی اور ادیب حمید انور کے بڑے بھائی تھے بہت سے نوجوان افغانستان ہی سے لوٹ آئے تھے مگر یہ آخر زندگی تک واپس نہیں آئے۔

Marfat.com

اس اہم اسلامی کتاب کو نسبت دی جا رہی ہے۔

غازی عبدالرحیم انور اسلامیہ کالج لاہور میں بی۔ اے کلاس کے طالب علم تھے جب وہ اپنے اولوالعزم رفیقوں کے ساتھ ہجرت کے لئے تیار ہو گئے تو انہوں نے اپنا قلم جسے خونِ شہادت میں غسل دیا گیا تھا، اُٹھایا اور اپنے والدِ بزرگوار کو ایک ایسا لرزہ انگیز خط لکھا جو صرف ایک غازی اور شہید ہی لکھ سکتا ہے اور خود مہاجرین کے ساتویں قافلے کے سالارین کر عازمِ افغانستان ہو گئے۔

ہمیں غازی رحیم انور کا تعارف اُن کے اسی خط سے ہوا ہے۔ اُن کا یہ خط اسلام کے درد سے گداز ہے اور مصیبت زدہ دنیائے اسلام کے آنسوؤں میں بھیگا ہوا ہے، اس کا ہر لفظ دل دوز ہے، ہر جملہ خوں فروش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے دل کے ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کاغذ پر پھیلا دیئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم تحریر نہیں اُس کا دل، اسلام کی ابراہیمی ذبح کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابراہیم اور اسمٰعیل کے کاروبارِ محبت کو جبکہ اُن میں سے ایک زمین پر لیٹ رہا تھا اور دوسرا چھری چلا رہا تھا خوب سمجھا ہے اور اب اپنی ذات سے پھر یہی نظارہ دُنیا کو دکھا رہا ہے۔

عبدالرحیم انور کا یہ مکتوب جس میں اس نے اپنے والدین کو ترکِ وطن کی بشارت سنائی ہے، جب باپ کے پاس پہنچا تو وہ دیوانہ وار لاہور کی طرف دوڑا، مگر عبدالرحیم کا قافلہ نکل چکا تھا۔ اب باپ پشاور پہنچا، مگر مہاجرین کرام آزاد علاقے میں داخل

ہو چکے تھے۔

عبدالرحیم انور کے صدمۂ فراق سے ان کی والدہ دس سال تک پاگل رہیں، اُن کے کئی خطوط افغانستان، ترکی، انگلینڈ اور روس سے آئے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ روسی فوج میں داخل ہو چکے ہیں، مگر اب کئی سال سے اُن کا قلم بالکل خموش ہے۔ شاید کہ اب یہ پُر بہار پھول زندگی کی ٹہنی سے توڑ لیا گیا ہے۔

ہمارے نوجوان مہاجر نے اپنے دردناک خط میں جو دوسری جگہ درج ہے اپنے باپ کو لکھا ہے:۔

"اے میرے باپ! میں حضرت اسمٰعیلؑ کی پیروی کر رہا ہوں، کیا آپ بھی حضرت ابراہیمؑ کی جگہ کھڑے ہو سکیں گے؟"

اسی بنا پر میں اس کتاب کو اسلام پر قربان ہونے والے سچے مجاہد اور مہاجر نوجوان غازی عبدالرحیم انور کی یاد میں لکھتا ہوں اور تمام زندہ دل مسلم نوجوانوں سے درخواست کرتا ہوں:۔

"مسلم نوجوانو! ایک ابراہیمی جوان کا یہ روحانی تحفہ قبول کرو۔"

عبدالمجید قریشی

Marfat.com

مکتوبِ مہاجر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآنِ حکیم کا ارشاد ہے (مسلمانو) کیا تم نے ایسا سمجھ رکھا ہے کہ تم یونہی چھوٹ جاؤ گے؟ اور کیا اللہ اُن کو ظاہر نہیں کریگا، جو تم میں سے جہاد کرتے ہیں اور اللہ، اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کسی کو دوست نہیں بناتے؟ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے جو کچھ کہ تم کرتے ہو کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور خانہ کعبہ کے آباد رکھنے کو، اس آدمی کی خدمتوں کے برابر خیال کر لیا ہے، جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتا ہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے؟ اللہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے اور اللہ ظالم لوگوں کو راہ راست نہیں دکھاتا۔ وہ لوگ جو ایمان لائے، ہجرت کی اور خدا کی راہ میں اپنی جان و مال کے ساتھ جہاد کیا۔ اُن کے درجے اللہ کے نزدیک بہت بڑے ہیں اور وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت خوشنودی اور جنت کی دائمی آسائش کی خوشخبری دیتا ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ کے نزدیک ان کا بڑا اجر ہے۔ مسلمانو! اگر تمہارے باپ اور بھائی، ایمان کے مقابلہ میں کفر کو زیادہ عزیز رکھیں تو ان کو اپنا رفیق نہ بناؤ اور جو تم میں سے اُن سے بنا ؤ رکھے گا، خدا کے نزدیک وہی لوگ نافرمان ہیں۔ تمہارے

Marfat.com

باپ، تمہارے بیٹے، تمہارے بھائی، تمہاری بیویاں، تمہاری برادری اور مال جو تم نے کمائے ہیں اور تجارت جس کے بند ہونے کا تمہیں ڈر رہتا ہے اور اعلیٰ مکانات جو تمہیں پسند ہیں، کیا تم ان سب چیزوں کو اللہ، اس کے رسول اور جہاد فی سبیل اللہ کی نسبت زیادہ عزیز رکھتے ہو؟ اگر یہی ہے تو صبر کرو۔ خدا خود ہی تمہارا فیصلہ کر دیگا۔ اللہ فاسقوں کو ہدایت کے لائق نہیں سمجھتا۔

لاہور ۲۵ مئی   قبلہ و کعبہ والد صاحب مدظلہٗ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ آج کے خط میں آپ پہلے آیاتِ قرآنی کا مطالعہ فرمائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ ہراساں ہوں یا ڈر جائیں، مگر قبلہ ایسا نہیں چاہیے ہم مسلمان ہیں۔ قرآن پاک کی آیات سے ڈرنا کیسا؟ یہ تو ہماری ہدایت کیلئے نازل ہوا ہے، اور اس پر عمل کرنا ہمارا اولین فرض ہے۔ اگر اب بھی کچھ احتراز و تامل ہو تو پھر مسلمانی کیسی؟ چاہیئے کہ پہلے اُس سے استعفاء دے دیں۔ مسلمان کہلانا اور پھر قرآنِ کریم پر عمل نہ کرنا شیوۂ مردانگی نہیں ہے۔ میں آپ کو تذبذب میں ڈال کر نفسِ مضمون سے بے خبر رکھنے کو گناہ خیال کرتا ہوں۔ اس لئے آئیے، میں آپ کو اپنی بچپن کی کہانی کے ساتھ اپنے موجودہ مقاصد سے باخبر کر دوں۔

قبلہ! مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے گھر میں ہر سال دو تہوار بڑی ہی مسرت سے منائے جاتے تھے، میرے اچھے کپڑے دیکھ کر میرے چھوٹے بھائی روٹھ جاتے، گھر میں بہترین کھانے پکتے، باغبان پھولوں کے گلدستے لاتے اور انعام حاصل کرتے، معلوم ہے

Marfat.com

کہ یہ تہوار کونسے تھے ؟ یہ عید کے تیوہار تھے۔ عید الفطر مسرت اور اطمینان سے گذر جاتی تو اس کے بعد ایک بڑی عید آتی، جس میں آپ قربانی دیا کرتے تھے! اس عید کے خطبے میں حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ بیان کیا جاتا تھا۔

مجھے کئی بار یہ خیال آتا تھا کہ اگر حضرت اسمٰعیلؑ کی جگہ کسی وقت مجھے بھی قربانی دینے کی ضرورت لاحق ہوئی تو کیا میں اس کے لئے تیار ہو جاؤنگا ؟ خدا کا شکر ہے کہ آج میں اس کے لئے اپنے کو تیار پاتا ہوں، لیکن کیا آپ حضرت ابراہیمؑ کی جگہ کھڑے ہو سکیں گے ؟ آپ کو ہر سال قربانی کی مشق اس لئے کرائی جاتی تھی کہ اگر کوئی ایسا دن آجائے، جب خدا کی راہ میں آپ سے اپنے عزیز بیٹے کی قربانی طلب کی جائے تو آپ بلا تامل اس سنّتِ ابراہیمی کو پورا کر سکیں گے۔ آپ کہیں گے کہ ابھی وقت نہیں آیا۔ لیکن میں یہ کہتا ہوں۔ کیا آپ اُس وقت کا انتظار کر رہے ہیں، جب دنیا سے مسلم قوم کا جنازہ اٹھ جائے گا ؟ اسلام پکار پکار کر اپنے فرزندوں کو دعوتِ عمل دے رہا ہے اور ہمیں فرزندِ اسلام ہونے کی حیثیت سے اس دعوت کو لبیک کہنا چاہیئے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے کہ خلافتِ اسلامیہ کو جڑ سے کاٹا جا رہا ہے اور مقاماتِ مقدسہ غیروں کے ناپاک ہاتھوں میں جا چکے ہیں؟ کیا آپ کو رسولِ اکرم کے آخری الفاظ بھول گئے ؟ یا اب خدا اور اس کا رسولؐ بدل گیا ہے ؟

قبلہ! اگر آپ سنّتِ ابراہیمؑ کو پورا نہ کر سکیں تو مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ قرآن پاک نے ہر فرزندِ اسلام کو اس اُلجھن سے رہائی دلا دی ہے۔ آپ کو

Marfat.com

سنتِ ابراہیمی میں نائل ہوسکتا ہے مگر الحمد للہ کہ مجھے سنتِ اسمٰعیلؑ میں کوئی عذر نہیں، لیکن نہیں، آپ کو کیوں کر نائل ہوسکتا ہے؟ آپ تو پکے مسلمان اور میرے پیارے والد ہیں، مجھے یقین ہے کہ آپ میری محبت کو خدا اور اس کے راستہ میں کبھی حائل نہیں ہونے دیں گے کیا آپ مجھے دل سے ہجرت اور جہاد کی اجازت دیتے ہیں۔؟

مجھے یاد ہے کہ آپ میری محبت کے زیر اثر میرے تقاضوں کو ہمیشہ یہ کہہ کر ٹال دیا کرتے تھے کہ ابھی ہجرت کے لئے ٹھیک وقت نہیں آیا اور راستہ بھی بے حد دشوار گذار ہے لیکن اے والد بزرگوار! خدا بڑا کارساز ہے۔ اب تو راستہ کھل گیا ہے اور حکومت بھی کوئی روک نہیں کرتی۔ پھر اب لوگوں کو خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام کی تعمیل میں کیوں حیل و حجت ہے؟ اے والد! قافلے پر قافلے چلے جا رہے ہیں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ ایماندار مسلمان اپنی چھوٹی چھوٹی لڑکیوں کی نرم و نازک انگلیاں پکڑے ہجرت فرما رہے ہیں، اُن کی عورتیں بھی اُن کے ساتھ جا رہی ہیں، لیکن میں تو ایک قابل نوجوان ہوں، ہر کام کر سکتا ہوں اور راہِ خدا کی ہر مصیبت اٹھا سکتا ہوں۔ للہ اب تو مجھے نہ روکئے، میں مجبور ہوں کہ آپ کو صاف الفاظ میں مطلع کر دوں کہ آپ کا عزیز بیٹا سنتِ اسمٰعیلؑ کی تعمیل میں آپ سے جُدا ہو رہا ہے، تاکہ وہ خدا اور اس کے رسولؐ کا سچا، بہادر اور غیور فرزند کہلا سکے۔ میں آج ہجرت پر روانہ ہو رہا ہوں اور آپ کو، والدہ کو اپنے بہن بھائیوں

کو، اپنی تعلیم کو اور وطن کی پیاری سرزمین کو الوداع کہتا ہوں۔

قبلہ! آپ گھبرائیے نہیں۔ یہ جدائی چند روز کی بات ہے، (انشاء اللہ) میں کسی روز بہت بڑا آدمی بنکر آپ کی خدمت میں حاضر ہونگا۔ میں اپنی ایک بڑی تصویر کریسنٹ ہوٹل میں چھوڑ چلا ہوں۔ آپ دیکھئے تو سہی، میں فوجی وردی پہنکر کس قدر شاندار اور حسین ہو گیا ہوں۔ میں ایک مسلم نوجوان ہوں اور یہی لباس میرے لئے موزوں ہے۔ آپ بھی خیال فرمالیں کہ میں آج اپنی شادی کے کپڑے پہنے کھڑا ہوں۔ کیا آپ اس تصور سے خوش نہیں ہیں کہ آپ کا فرزند ایک دن اپنے بدن پر اس سے بھی زیادہ شاندار وردی پہنے گا اور مسلم فوج (جس کا مقصد دنیا میں پھر پرچم اسلامی کو بلند کرنا ہے) کے کمانڈر کی حیثیت میں سرزمین ہند کی طرف رجوع کرے گا؟

اس وقت بہت سے علیگ نوجوان میرے ہمرکاب ہیں جن میں سے بعض اپنے معزز والدین کے اکلوتے بیٹے ہیں، میں تو پھر بھی چار بھائی رکھتا ہوں۔ اگر خدا نے زندگی بخشی تو پھر دنیا دیکھے گی کہ مسلم نوجوان اپنے خدا اور رسولؐ کی راہ میں کیا کچھ کر سکتا ہے؟ آپ گھبرائیے نہیں، آخر چچا نظام الدین بھی تو بصرہ گئے تھے اور تین سال کے بعد واپس لوٹے تھے۔ آپ بھی بصرہ جانے کی تیاری کر چکے تھے، اگر میں نہ روکتا۔

میرے ساتھی مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ آپ اب میرا فکر نہ کریں۔ میری والدہ محترمہ سے عرض کر دیں کہ وہ ترددد، رنج اور فکر کو پاس نہ آنے دیں۔ میں آخر خط میں ایک بار پھر آپ کو تسلی دیتا ہوں، آپ اوقاتِ غم میں میرے

شاندار مستقبل کا میری قوم کی عزت کا اور میرے اسلام کی عظمت کا تصور فرما لیا کریں
اسلامیہ کالج کے قریب فیروز لاج بلڈنگ میں اپنے ایک دوست عبدالستار
(تھرڈ ایر) کے پاس اپنا باقی ماندہ سامان چھوڑ چلا ہوں، چونکہ کالج میں رخصتیں
ہونے والی ہیں، اس لئے جلدی تشریف لا کر لے جائیں۔ والدہ صاحبہ کی خدمت
میں نیاز مندانہ سلام۔ چھوٹے بہن بھائیوں کو پیار۔ پورن مالی بجوارہ سائیس اور
دیگر نوکروں سے آداب عرض کر دیں۔ فی امان اللہ

(آپ کا بچہ۔ عبدالرحیم انور)

Marfat.com

اسوۂ ابراہیمؑ

اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے لازمی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سمجھا جائے۔ اس مختصر قول کی تشریح یہ ہے:-

قرآن نے دو نبیوں کو نمونہ اسلام کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام کو، اور دوسرے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ | لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ہم ایک مثال کے ذریعہ خلیلؑ اور مصطفےٰؐ کے تعلقات کی تشریح کریں گے۔ جب آپ کوئی عمارت تعمیر کرنا چاہیں تو پہلے آپ عمارت کا نقشہ بنواتے ہیں، پھر نقشے کے مطابق بنیادیں قائم کرتے ہیں اور سب سے آخر میں دالان، بیٹھک، ڈیوڑھی اور بالاخانہ بنا کر تمام عمارت کو مکمل کر دیتے ہیں۔

اسلام کی مثال بھی بالکل یہی ہے۔ اسلام ایک عظیم الشان محل ہے۔ اس محل کا نقشہ بنانے والا خود خدا ہے۔ نقشہ الٰہی کے مطابق بنیادیں قائم کرنے والے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں اور ابراہیمی بنیادوں پر محل کی تکمیل کرنے والے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ وہ خدا کے نقشے کے مطابق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی عمارت کھڑی کرے تو اس کا پہلا فرض یہ ہے

Marfat.com

کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی قائم کی ہوئی بنیادیں تلاش کر لے۔ عید الضحیٰ کا سالانہ اجتماع اسی لئے مقرر ہُوا، تاکہ یہ اُمت سال بسال ابراہیمی بنیادیں تلاش کر کے دینِ محمدی کی عمارتوں کو استوار رکھے۔ آج اس مختصر رسالہ میں ہم یہ بیان کریں گے کہ ہمارے دین کی وہ ابراہیمی بنیادیں کیا ہیں؟

مختصر حالاتِ زندگی

حضرت ابراہیمؑ زمانۂ مسیح سے قریباً دو ہزار برس پہلے مملکتِ بابل میں مبعوث ہوئے تھے، باپ کا نام آذر۔ آپ کی قوم بُت گر، بُت پرست اور ستارہ پرست تھی باپ، قوم اور بادشاہ کے معاملہ میں جو کچھ گذرا، وہ آپ پڑھ لیں گے آپ کی عمر شریف ۷۵ سال تھی کہ آپ اور کلدانیاں سے اپنی زوجہ محترمہ حضرت سارہؓ اور برادر زادہ حضرت لوطؑ کے ساتھ کنعان بن حام کے علاقہ میں ہجرت فرما ہوئے، یہاں آپ نے بہت سی بھیڑ بکریاں رکھ لیں اور گلہ بانی سے بسر اوقات فرمانے لگے۔ جب بارش نہ ہوتی آپ پانی اور چارے کی تلاش میں آگے آگے قدم بڑھا دیتے، اسی طرح مصر پہنچ گئے۔ ان دنوں مصر کا بادشاہ رقیوس تھا۔ چونکہ یہ بھی باشندۂ بابل تھا، اس واسطے اس نے حضرت سارہؓ کو اپنے ملک کی خاتون سمجھ کر اپنے لئے پسند کر لیا تھا، اس سے ابتدا میں حضرت ابراہیمؑ کو تھوڑی تکلیف ہوئی، مگر جلد ہی فرعون کو حضرت سارہ کے متعلق روشنی مل گئی اور وہ اپنے ارادہ سے دست بردار ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ کے اخلاقِ عالیہ نے

Marfat.com

بادشاہ کے مزاج میں بہت اچھے اثرات پیدا کئے۔ چنانچہ جب آپؑ نے کنعان کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو بادشاہ نے اپنی بیٹی ہاجرہؑ حضرت سارہؑ کے ساتھ کر دی اور حضرت ابراہیمؑ نے حضرت سارہؑ اور بادشاہِ مصر کی آرزو کے مطابق اُسے اپنے نکاح میں لے لیا۔

اب حضرت نے کنعان میں سکونت اختیار فرمائی اور یہیں حضرت لوطؑ آپ سے علیحدہ ہو کر شہر سدوم میں فروکش ہو گئے۔ اسی زمانے میں شاہِ عیلام نے اپنے ساتھ تین اور بادشاہوں کو شامل کر کے شاہِ سدوم اور ان کے چار اتحادی بادشاہوں پر حملہ کر دیا اور حضرت لوطؑ کو مع سامان کثیر کے قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ اس وقت تک حضرت ابراہیمؑ کنعان میں بڑا اقتدار پیدا کر چکے تھے۔ اطلاع ملنے پر آپ نے شاہِ عیلام کا تعاقب کیا اور حضرت لوطؑ اور دوسرے اسیروں کو آزاد کرایا اور حملہ آوروں سے بہت سا مال غنیمت چھین لیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی کامیابی کی خبر سُنکر شاہ سدوم اور شاہ سالم آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ آپ بڑی عالی ظرفی سے پیش آئے اور آپ نے وہ تمام مال و سامان جو شاہِ عیلام لوٹ لے گیا تھا، انہیں واپس عنایت فرما دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر شریف ۸۵ برس کی تھی جب کہ آپ نے حضرت ہاجرہؑ سے نکاح فرمایا اور بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کے نکاح کا یہ معمولی سا واقعہ تاریخ انسانی میں ایک بہت ہی بڑے انقلاب کا پیش خیمہ تھا۔ نکاح کے دوسرے ہی سال حضرت اسمٰعیلؑ تولد ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حمل کے وقت ہی سے حضرت ہاجرہؑ کی محبت سارہؑ کے دل سے اُٹھالی، تاکہ آنے والے انقلاب کے لئے راستہ ہو جائے۔ جب

Marfat.com

حضرت اسمٰعیلؑ تولد ہوئے تو حضرت سارہؑ نے زور دیا کہ حضرت ہاجرہؑ کو علیحدہ کر دیا جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سارہؑ کے اس اصرار میں بھی قدرت کا غیبی ہاتھ کارفرما تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی حضرت سارہؑ کی خواہش کے مطابق مفارقت کا حکم آگیا اور آپ ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو ساتھ لیکر کنعان سے چلے۔ جب یہ مقدس قافلہ وہاں پہنچا۔ جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے تو حضرت ابراہیمؑ کے قدم رُک گئے۔ بخاری شریف میں ہے کہ اس وقت مکہ میں کوئی زندہ چیز موجود نہ تھی اور نہ پانی کا کوئی قطرہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے بڑی استقامت سے اس بے پناہ سنگستان میں مقدس ماں اور اس کے معصوم بچے کو بسا دیا اور علیحدگی چاہی :-

ہاجرہؑ بولیں، اِلٰی مَنْ تَتْرُکُنَا ؟ آپ ہمیں کس کے سپرد کر چلے ہیں ؟

ابراہیم نے فرمایا: اِلَی اللّٰہ، اللہ کے سپرد۔

ہاجرہؑ نے کہا: رَضِیْتُ اللّٰہَ، میں خدا پہ راضی ہوں۔

اس سوال و جواب میں قدرتِ الٰہی کی زبان بول رہی تھی۔ شوہر اور بیوی کے دل رو رہے ہوں گے، مگر قدرتِ خداوندی ہنس رہی تھی اور پکار رہی تھی کہ سارہؑ اور ابراہیمؑ کی مفارقت کا یہ کھیل چھوٹا نہیں، یہ اس قدر بڑا ہے کہ فرش سے عرش تک کی وسعتیں بھی اس کے لئے بالکل ناکافی ثابت ہونے والی ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ اپنے بیوی بچوں کو "خدا حافظ" کہہ کر رخصت ہو گئے اور خدا کی نصرت حضرت کے پیٹھ موڑتے ہی اپنی کارفرمائی کے لئے پہلوئے ہاجرہؑ میں آ ٹھہری۔ تورات

Marfat.com

مقدس اور بخاری شریف کی متفقہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کے پاس پانی ختم ہو گیا، شیر خوار اسمٰعیلؑ پیاس سے جان توڑنے لگے، ماں کی مامتا لختِ جگر کی مصیبت کی تاب نہ لا سکی اور آپ نہایت بے اختیاری کے عالم میں بے قراری کے ساتھ ادھر اور اُدھر دوڑنے لگیں، حالانکہ وہ صاحبِ اختیار رگِ جان سے بھی زیادہ قریب تھا۔ اس وقت حضرت ہاجرہؑ نے ناگہاں ایک آواز سُنی، ہاجرہ پکاری "اگر تم سے کچھ فائدہ ہو سکتا ہو تو سامنے آؤ"۔ آواز کے ساتھ ہی حضرت جبرئیلؑ حضرت ہاجرہؑ کے سامنے آ گئے اور اشاروں ہی اشاروں میں ہاجرہؑ کی عرضداشت کہی بھی گئی اور سُنی بھی گئی۔ اب انھوں نے اسمٰعیلؑ کے قدموں میں ایڑی ماری اور رحمتِ الٰہی کا چشمہ ہاجرہؑ کے آنسوؤں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر زمین سے بہنے لگا۔ چونکہ دُنیا کی زندگی پانی کے ساتھ وابستہ ہے، اس واسطے ایک قافلہ وہاں سے گذرا اور پانی کی شادابیاں دیکھ کر ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کے پڑوس میں آباد ہو گیا اور اس طرح مکّہ کی آبادی کا سلسلہ بڑھنے لگا۔

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد دو دفعہ حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ اور اسمٰعیلؑ کو دیکھنے آئے، پہلی مرتبہ انہوں نے حضرت اسمٰعیلؑ کو راہِ حق میں قربان کر دینے کا خواب دیکھا اور اُسے سچ کر دکھایا۔ اس عظیم الشان قربانی نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو اس قابل بنا دیا کہ اُن کو اُمتِ مُسلمہ کا معمار بنایا جائے تاکہ وہ خانہ کعبہ کی بنا ڈالیں، خلقِ خدا کو حج بیت اللہ کی دعوت دیں اور اُس اُمّتِ مرحومہ کی داغ بیل رکھ دیں جو خاتم الامم ہے اور جس کے علمائے حق کو انبیائے بنی اسرائیل کا درجہ ملنے والا تھا جب

دوسری دفعہ آپ تشریف لائے تو آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا اور وہ دعائیں کیں جن کے فیض سے قیامت تک مادرِ گیتی کا سینہ شاداب تھال رہیگا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک سو سال کے تھے جب اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ آپ نے حضرت اسحٰقؑ کی رفقہ سے شادی کی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قبیلہ بنو جرہم کے سردار مضاض کی بیٹی سے۔ مضاض اپنے علاقہ کا واحد فرمانروا تھا، جب امتحان و آزمائش کا دور ختم ہوا تو خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرما دیا تھا کہ تمہارے دونوں بیٹے بڑے بابرکت ہوں گے اور بڑی بڑی قوموں کے مورثِ اعلیٰ بنائے جائیں گے۔ حضرت ابراہیمؑ نے حکم الٰہی سے دونوں بیٹوں میں علیحدہ علیحدہ ملک تقسیم کر دیئے، شام کا ملک حضرت اسحٰقؑ کو عطا فرمایا۔ اور عرب کا حضرت اسمٰعیل کو۔ آپ نے اپنے دونوں بیٹوں کو جدا جدا ملک ہی نہیں دیئے بلکہ جدا جدا عبادت گاہیں بھی دیں، نسلِ اسحٰقؑ کے لئے آپ نے :-

میدان سوریہ میں ایک قربان گاہ بنائی۔ (توریت کتاب پیدائش باب ۳)

پھر بیت ایل کے مشرق میں ایک قربان گاہ بنائی (توریت کتاب پیدائش باب ۱۲)

پھر آپ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ اور پوتے حضرت یعقوبؑ نے بیر شبع اور بیت ایل میں دو قربان گاہیں بنائیں، یہاں تک کہ جب حضرت سلیمانؑ بن داؤد کا زمانہ آیا، تو انھوں نے بیت المقدس کو تعمیر کیا اور یہ مقام قدس، بنی اسرائیل کا قبلہ قرار پا گیا۔

اب رہے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی اولاد تو ان کے لئے آپ بہت پہلے ہی خانہ کعبہ تعمیر کر چکے تھے۔ اسمٰعیلؑ کے بارہ بیٹے ہوئے اور ان کی اولاد حجاز، یمن اور نجد میں پھیل

Marfat.com

طرف پھیل گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سن مبارک ۱۷۵ سال کا تھا کہ رفیق اعلیٰ کا آخری پیغام آگیا، اس وقت حضرت اسمٰعیلؑ بھی حاضر تھے اور حضرت اسحٰق بھی۔ دونوں بیٹوں نے بابرکت باپ کو کندھا دیا اور وہ بزرگ عظیم سپرد خاک کر دیا گیا، جو قیامت تک کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور بندگانِ صالح کی دعاؤں اور درودوں کا مستحق ہے۔

سلطنت بابل: حضرت مسیحؑ سے قریباً دو ہزار سال پہلے ایک بہت بڑی سلطنت تھی سلطنتِ بابل۔ اس سلطنت کا بادشاہ خدا کہلاتا ہے حضرت نوحؑ کی نویں پشت میں حضرت ابراہیمؑ اس سلطنت کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔

کتاب دانیال باب ۳ میں لکھا ہے کہ بخت نصر شاہ بابل نے سلطنت کے سب سے بڑے مندر میں اپنی سونے کی مورتی نصب کرائی اور حکم دیا کہ جس وقت باجے بجائے جائیں۔ سب لوگ بت کے سامنے سجدہ میں گر جائیں، اگر کسی نے عدول حکمی کی تو اُسے جلتی آگ کی بھٹی میں گرا دیا جائے گا۔ جب اِس سلطانی حکم کے مطابق باجے بجائے گئے تو پوری آبادی میں صرف تین یہودی افسر ایسے نکلے جن کی خود دار گردن بت کے سامنے خم نہ ہوئی، بادشاہ نے ان افسروں کو شعلہ زن آگ کی بھٹی میں جھونک دیا، مگر آگ نے انہیں کوئی گزند نہ پہنچایا، بادشاہ نے دیکھا کہ تینوں افسر ایک فرشتے کے ساتھ آگ کے اندر ٹہل رہے ہیں۔ بادشاہ نے خوف زدہ ہو کر انہیں آواز دی

۱۱۷۹۶

Marfat.com

اور وہ صحیح وسالم آگ سے باہر نکل آئے۔

ممکن ہے، یہ کہانی یہ ظاہر کرنے کے لئے وضع کی گئی ہو:۔

۱۔ آگ خدا پرستوں کو جلا نہیں سکتی۔

۲۔ خدا کے فرشتے خدا کے پجاریوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

ابراہیمی زندگی کے ۴ ستون

بہر حال وہ دُنیا اسی قسم کی تھی، جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے، آپ کا باپ آذر بُت تراش تھا۔ آپ کا خاندان "بُت کے سامنے ایک سجدہ" کے معاوضے میں زندگی کی ہزار لذتوں کا مالک بنا ہوا تھا۔ ابراہیمؑ کی فطرتِ صالح اُس حال کا شکار نہیں ہوئی جس میں اُن کا گھرانا، اُن کا خاندان اور ان کی قوم اسیر تھی۔ آپ کا توسنِ عمر جس قدر آگے بڑھا آپ کا طائرِ فکر اُسی قدر بلند پرواز ہوتا چلا گیا۔ قرآن پاک نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے مگر ہم اُن کی پیغمبرانہ زندگی کے صرف چار واقعات پر روشنی ڈالیں گے۔

۱۔ مشاہدۂ فطرت کے ذریعہ سے ہستی باری تعالیٰ کا احساس و اثبات۔

۲۔ جزائے اعمال اور یومِ آخرت کے متعلق اطمینانِ قلبی حاصل کرنا۔

۳۔ پھر ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے بعد عملِ صالح کے درپے ہونا اور اس سلسلے میں:۔

Marfat.com

ا۔ باپ، خاندان، قوم اور بادشاہ کا مقابلہ۔

ب۔ جانی قربانی اور آگ میں کودنا۔

ج۔ ترکِ وطن۔

د۔ بیٹے کی قربانی۔

۴۔ عمل صالح یا امتحانِ الٰہی میں پورا اترنے کے بعد درجہ امامت حاصل کرنا تعمیر کعبہ اور آیندہ نسلوں میں اجرائے سلسلۂ ہدایت۔

جس طرح انسانی زندگی کی چار منزلیں ——— شیرخواری، بچپن، جوانی اور بڑھاپا ——— مسلّم ہیں، اسی طرح فطرتِ ابراہیم علمی اور پر کے چاروں حصّوں سے گذری اور درجۂ تکمیل بشریت کی حد کو پہنچکر نوعِ انسان کے واسطے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اسوۂ حسنہ قرار پا گئی۔ اب ہم ابراہیمی زندگی کے ہر دور پر الگ الگ بحث کرینگے:۔

ایمان باللہ بواسطۂ مشاہدۂ فطرت

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ کے معنی یہ ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کی فطرت، فکر اور اخلاق و عمل، فطرتِ صحیح کا، فکرِ صحیح کا، اخلاقِ صحیح کا اور عملِ صحیح کا معیار ہیں، اِس حقیقت کو سمجھنے کے لئے دو چیزیں دیکھئے:۔

ایک یہ دیکھئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کس نقطے پر اپنی زندگی کا مشن شروع کیا تھا؟

دوم یہ دیکھئے کہ حضرت ابراہیمؑ نے کس نقطے پر اپنی زندگی کی جدوجہد کو تمام کر

دیا تھا؟

ہمیں قرآن بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ دونوں نے مشاہدہ فطرت سے اپنی زندگی کا مشن شروع کیا تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ مشہور واقعہ ہے کہ نبی ہونے سے کچھ عرصہ پہلے مشاہدہ فطرت کا ایک عالم ولولہ و شوق آپ میں پیدا ہو گیا تھا۔ اس زمانے میں آپ اکثر پانی اور ستو لیکر شہری آبادیوں سے دور سنسان پہاڑوں میں چلے جاتے، غار حرا میں جا بیٹھتے، درختوں سے ملتے، پتھروں کا سلام لیتے، سورج اور چاند کی کرنوں سے باتیں کرتے، خدا کی ذات کو سمجھتے اور قدرتِ الٰہی کے نشانات میں غور و فکر کرتے اور جب تک پانی اور ستو ختم نہ ہوتے، آپ شہر کا رُخ نہ فرماتے۔ ایک دن آپ کتابِ فطرت کی انہیں ورق گردانیوں میں محو تھے کہ کاتبِ ازل کا پیغام آپہنچا، اے اُمّی! پڑھ، خدا نے تمہیں صاحبِ وحی و کتاب مقرر فرمایا ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی کا پہلا قدم بھی مشاہدہ فطرت سے اٹھتا ہے۔ سورۂ انعام میں اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے:-

"جب رات کی تاریکی چھا گئی تو ابراہیمؑ نے ایک چمکتا ہوا تارا دیکھا اور کہا هٰذَا رَبِّیْ یہ میرا رب ہے"

جب تارا آہستہ آہستہ غروب ہو گیا تو آپ پکار اُٹھے لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ، میں ڈوبنے والوں کا خواہاں نہیں۔

Marfat.com

اب چاند نکلا، یہ زیادہ چمک رہا تھا۔ آپ نے کہا، هٰذَا رَبِّیْ، یہ میرا رب ہے۔
چاند ڈوب گیا، آپ پکار اُٹھے، اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں ضرور
اپنی ستارہ پرست قوم کی طرح بھٹک جاتا۔

اِسی غور و تلاش میں دن نکل آیا، اب چمکتا ہوا سورج سامنے تھا۔ آپ نے کہا۔
هٰذَا رَبِّیْ هٰذَآ اَکْبَرُ۔ یہ سب سے بڑا ہے، یہ میرا رب ہے۔
کچھ دیر میں سورج بھی غروب ہو گیا، اب آپ نے فرمایا یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ
اے قوم! میں اُن معبودوں سے بری ہوں، جن کی تم پوجا کرتے ہو۔

جب حضرت ابراہیمؑ کی آنکھیں چاند، تارے اور سورج کی سیماب پائی سے آگنا
کر بند ہوئیں تو وہ قادرِ مطلق جو ابراہیمی فطرت کے پردوں میں ایک مخفی خزانہ کی طرح
روپوش تھا، اب روح و قلب کا آفتاب و ماہتاب بن کر سامنے آگیا اور عرفانِ الٰہی
کی محویت میں آپ پکار اُٹھے:۔

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔

میں نے اپنا چہرہ صرف اسی خدا کی طرف کر لیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں۔ میں مشرکین میں نہیں ہوں۔

نکتہ:۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ ایک جملہ حضرت ابراہیمؑ
کی زندگی کی پوری تصویر ہے اور وہ اس طرح:۔
ا۔ نفی غیر یعنی لَآ اِلٰهَ۔ حضرت ابراہیمؑ نے سب سے پہلے تارے، چاند اور سورج

Marfat.com

کی عبودیت سے انکار کیا۔ یہ لا اِلٰہ کی تعمیل تھی۔ ہر فطرتِ صحیحہ کا پہلا کام یہی ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے کہ وہ سب سے پہلے ذہنیت کو غیر طاقتوں کے اثر سے پاک کردے تاکہ فطرت کا کھیت ردّی اجناس اور گھاس پھوس سے صاف ہو جائے۔ دل کے میدان سے پہلی غلط عمارت کی بنیادیں اُکھڑ جائیں اور وہاں صحیح بنیاد رکھنے کی جگہ پیدا ہو جائے۔

۲۔ اثباتِ حق یعنی اِلَّا اللّٰہ۔ جب غیر کا اثر مٹ گیا تو اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کیا، اب میرا چہرہ صرف اللہ کی طرف ہے، یہ اِلَّا اللّٰہ، کی تعمیل تھی، ہر فطرتِ صحیحہ کا دوسرا کام یہی ہوتا ہے کہ جب حکومتِ غیر کی تخریب ہو جائے تو پھر وہاں حکومتِ الٰہی کا تخت بچھانے کا فکر کرے۔

۳۔ عملِ صالح یعنی مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، جب شرک چلا گیا، جب توحید آگئی تو اب نمونہ چاہیئے۔ یہ محمد رسول اللہ ہیں۔ یہ عملِ صالح تیسرا مرحلہ ہے، حضرت ابراہیمؑ کا قوم اور بادشاہ سے مقابلہ، آگ میں کودنا، ہجرتِ وطن، یہ سب اسی سلسلۂ عمل کی مختلف کڑیاں ہیں، ہر فطرتِ صحیحہ کا تیسرا قدم یہی ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے، یعنی جب وہ مالکِ حقیقی کو پہچان لے تو پھر اس کے احکام کی تعمیل کرے، اس کا نام عملِ صالح ہے۔

۴۔ اس کے بعد چوتھا درجہ انعامِ الٰہی ہے، بندے کا کام عملِ صالح پر ختم ہو جاتا ہے۔ اب یہ خدا کا کام ہے کہ وہ انہیں قبول فرمائے اور انعامؑ

جزا رو درجۂ امامت وخلافت سے سرفرازی بخشے ۔

ایمان بالآخرۃ بواسطہ شواہد عادیہ

خدا ثابت ہو گیا، لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہتا ہے کہ میں یا آپ کیوں اُس کے احکام کی اطاعت کریں ؟ اس سوال کو ایمان بالآخرۃ کی کڑی حل کرتی ہے ۔ آخرت کو ماننا یہ معنی رکھتا ہے کہ ہم نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ ہم اس دنیا میں احکامِ الٰہی کی تعمیل کریں گے تو وہ اگلی دنیا میں ہم کو بہترین دائمی زندگی عطا فرمائیگا جب ایک شخص نے یہ تسلیم کر لیا کہ مجھے عنقریب ہی اطاعتِ الٰہی کی بہترین جزا ملنے والی ہے تو حکمِ عقل یہی ہے کہ وہ احکامِ خداوندی کی اطاعت کرے، یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کی بیشمار آیات میں جہاں ایمان باللہ کا ذکر ہے وہیں ایمان بالآخرۃ کا ذکر بھی ہے ۔ جب حضرت ابراہیمؑ پر خدا کی ہستی ثابت ہو چکی تو آپ نے خدا سے سوال کیا :-

رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی | اے خداوند تو مُردوں کو کیسے زندہ کریگا ؟

سورۂ بقر میں ہے کہ خدا کی طرف سے جواب ملا، اَوَ لَمْ تُؤْمِنْ ؟ کیا تجھے اس پر ایمان نہیں ہے ؟ حضرت ابراہیمؑ نے کہا، بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ۔ ہاں میں ایمان لایا ہوں مگر اب میں اپنا دل مطمئن کر لینا چاہتا ہوں، اس پر حکم ہوا، اے ابراہیم ! چار پرندے لو، پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لو، پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا

پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں بلاؤ، وہ سب پھڑکتے ہوئے تمہارے پاس آجائیں گے، اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کس قدر زبردست حکمت والا ہے۔

ایک بے معنی بحث۔ قرآن کا اپنا بیان یہ ہے کہ میں نصیحت و رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہوں مگر ہمارے علماء نے نصیحت و عبرت کے مقصد کو فراموش کر دیا ہے اور اس کے ایک ایک لفظ پر ایک ایک بحث اگر اُٹھا دی ہے۔ پرندوں کے واقعہ کا مقصد بالکل ظاہر ہے حضرت ابراہیمؑ نے اپنے خدا سے ایمان بالآخرۃ کے متعلق اطمینانِ قلب کے حصول کی آرزو کی، خدا تعالیٰ نے انہیں ایک ارشاد فرما دیا کہ یہ معمولی بے عقل چار پرندے جنہیں تم نے صرف چار دن کھلایا پلایا ہے، اگر تمہاری آواز پر چاروں پہاڑوں پر سے اُڑ کر والہانہ تمہارے پاس پہنچ جاتے ہیں تو پھر روحوں کے پرندے وہ اربعہ عناصر کے پنجرے میں بند ہوں یا عالمِ بالا کے دفتر میں، اپنے خالق و مالک کی آواز پر کیوں اپنے اللہ کی طرف متوجہ نہ ہوں گے؟ اگرچہ یہ اشارہ نہایت معمولی تھا مگر اس سے حضرت ابراہیمؑ کی فطرتِ صحیحہ بیدار ہو گئی، ان کا سینہ کھل گیا اور انسانوں کا بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہونا اور جزائے اعمال کا ملنا، قیامت کے تمام نقشے بے پردہ ہو کر ان کے سامنے آگئے اور اس یقین کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، یعنی حضرت ابراہیمؑ نے نہایت ہی سرگرمی سے اطاعتِ احکام اور تبلیغ دین کی مہم شروع کر دی۔

آیت کے الفاظ یہ ہیں:-

Marfat.com

فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ | چار پرندے لو اور انہیں اپنے ساتھ ہلالو۔

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ کے معنی میں اختلاف ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ قطعھن مراد ہے یعنی انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر دو۔

۲۔ عبیدہ کہتے ہیں کہ جمعھن مراد ہے یعنی انہیں جمع کر لو۔

۳۔ ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ اپنی طرف جھکانا اور جواب دینے کا خوگر بنانا مراد ہے۔

۴۔ "بہم آرہمہ را" (شاہ ولی اللہؒ) "ہلا لے" (شاہ عبدالقادر)

ہمارا اس بحث میں الجھنا بے کار ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے پرندوں کو قیمہ کر کے پہاڑوں پر رکھا ہو، یا انہیں اپنے سے صرف مانوس کر کے، دونوں فریقین کے نزدیک یہ مسلّم ہے کہ نتیجہ دونوں سے ایک پیدا ہوا۔ یعنی یہ کہ حضرت ابراہیمؑ کو پوری طرح اس کا اطمینان ہو گیا کہ قیامت سامنے ہے اور اس انشراح کے بعد وہ اللہ کے لئے ہر ایک قربانی کے لئے بالکل تیار تھے۔

عملِ صالح یعنی امتحان و قربانی

ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کے بعد حضرت ابراہیمؑ اللہ کی راہ میں سرگرمِ عمل ہو گئے اور حق کی تبلیغ کرنے لگے۔ آپ کے مختلف تبلیغی معرکوں کو بڑی تشریح کے ساتھ قرآن پاک میں بیان کیا گیا ہے، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:—

۱۔ بُت شکنی | سورۂ انبیاء، عنکبوت اور مریم وغیرہ کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ

Marfat.com

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم کو بُت پرستی اور شاہ پرستی میں مصروف اور حق و آزادی کے شرائط سے محروم دیکھا تو کہا۔ کیا تم قانونِ خداوندی کو ترک کر کے غیر طاقتوں کی اطاعت کرتے ہو؟

قوم: ہم نے اپنے باپ داداؤں کو انہیں کی عبادت و اطاعت کرتے دیکھا ہے۔

ابراہیمؑ۔ لیکن اگر تمہارے باپ دادا گمراہ ہوں۔

قوم۔ ابراہیمؑ! یہ تم ہم سے دل لگی کرتے ہو؟

ابراہیمؑ۔ نہیں، نہیں، تمہارا خدا وہ ہے جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں، خدا کی قسم! میں تمہارے بُتوں کے متعلق ضرور کوئی تدبیر کرونگا؟

یہ گفتگو ختم ہو گئی، اس کے کچھ دیر بعد حضرت ابراہیمؑ نے ایک دفعہ ستاروں کی طرف دیکھا اور کہا۔ میں بیمار ہوں۔ اس پر علم لوگ انہیں تنہا چھوڑ کر اپنی کسی قومی تقریب پر چلے گئے حضرت ابراہیمؑ نے فی الفور اس فرصت سے فائدہ اُٹھایا اور آپ دلیرانہ سلطنت کے سب سے بڑے مندر میں گھس گئے اور آپ نے سب سے بڑے بُت کو چھوڑ کر باقی سب بُتوں کے ایک ایک کر کے پُرزے اُڑا دیئے۔ کچھ دیر بعد جب لوگ مندر میں گئے تو وہ بُتوں کو خراب و خوار دیکھ کر سخت برہم ہوئے اور کہنے لگے:۔

ہمارے دیوتاؤں کے ساتھ کس نے یہ حرکت کی ہے، بڑے ظلم کی بات ہے

ایک شخص۔ ایک دن ابراہیمؑ ایسی گفتگو کر رہا تھا۔

Marfat.com

دوسرا شخص۔ اُسے سب کے سامنے لاؤ تاکہ قوم بھی سن لے۔

تیسرا شخص۔ (حضرت ابراہیمؑ لائے گئے) ابراہیم! کیا تم نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے؟

ابراہیمؑ۔ بلکہ آپ کے بڑے بت نے کیا ہوگا، آپ اس سے پوچھیں اگر وہ بول سکتا ہو؟

(اس پر تمام حاضرین سوچ میں پڑ گئے، کچھ لوگ کہنے لگے "تم لوگ خود ظالم ہو"۔

اس پر بے شمار لوگوں کے سر جھک گئے، ایک آواز اٹھی۔

ابراہیمؑ! تم جانتے ہو کہ یہ بُت بات نہیں کر سکتے۔

ابراہیمؑ۔ پھر کیا تم لوگ اسی لئے اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہو جو تمہیں کچھ فائدہ نہیں دے سکتیں، نہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔ لعنت ہے تم پر، لعنت ہے تمہارے ان معبودوں پر۔ کیا اب بھی تم غور و فکر نہیں کرو گے؟

ایک آواز۔ لوگو! اب تمہارے معبودوں کا سوال ہے۔ ابراہیم کو بھسم کر دو۔ (انبیاء)

دوسری آواز۔ ایک عمارت بناؤ اور ابراہیمؑ کو دہکتی آگ میں ڈال دو۔ (صفّٰت)

تیسری آواز۔ ابراہیم کو قتل کر دو یا جلا دو۔ (عنکبوت)

والدِ ابراہیمؑ۔ ابراہیمؑ! اگر تم باز نہ آئے تو میں تمہیں سنگسار کر دوں گا اور تجھ سے منقطع ہو جاؤں گا۔

ب۔ ہجرت یہ مختلف اور غضب ناک تدبیریں تھیں جو حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ کے متعلق پیش کی گئیں، قرآن کریم کے الفاظ یہ ہیں:

Marfat.com

۱۔ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ۔ انہوں نے داؤں چلانا چاہا مگر ہم نے انھیں ذلیل کر دیا۔ (صفّٰت)

۲۔ فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ۔ انہوں نے ترکیب سوچی مگر ہم نے انہیں ناکام بنا دیا۔ (انبیاء)

بہر حال شر و فساد یا چوب ہیزم کی جو بھی آگ قوم بابل کے باطل پسند رہنماؤں نے بھڑکائی تھی، خدا نے اُسے حکم دیا۔ اے آگ! ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈک اور راحت بن جا۔ اس کے بعد ہی حضرت ابراہیمؑ ترکِ وطن کے لئے تیار ہو گئے اور آپ نے اپنے باپ سے مخاطب ہو کر فرمایا :۔

سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا۔ تو سلامت رہے میں تیرے لئے اپنے خدا سے مغفرت چاہوں گا کہ وہ مجھ پر مہربان ہے۔ داعی حق نے جن پیارے اور میٹھے الفاظ میں اپنے بُت پرست باپ کو الوداع کہی، وہ صرف ابو الانبیاء کا حصہ ہے۔ باپ کو سلامتی اور ہدیہ بندگی کرنے کے بعد آپ اپنے شہر اُور کلدانیاں سے نکلے اور کنعان کے بیابانوں کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس ہجرت میں آپ کا برادر زادہ لوط اور بیوی سارہ آپ کے ہمرکاب تھے۔

ایک غیر ضروری بحث۔ یاد ہوگا، ہم نے ابھی لکھا تھا کہ کوئی کارنامہ خواہ کس قدر بھی قیمتی ہو ہمارے علما کی نظر اس میں صرف جھگڑے اور اختلاف پر پڑتی ہے۔ اس واقعہ میں بھی علمائے خلاف کئے بغیر نہیں گزے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ

حضرت ابراہیمؑ آگ میں ڈال دیئے گئے تھے اور وہ آگ حکمِ الٰہی سے اُن کے لئے گلزار بن گئی تھی۔ دوسرے لوگوں کا خیال ہے کہ آگ میں ڈالے نہیں گئے تھے۔ آگ میں ڈالنے کی صرف تجویزیں کی گئی تھیں۔ پہلی جماعت کہتی ہے، اگر ڈالے نہیں گئے تھے تو خدا نے یہ کیوں کہا "اے آگ! ابراہیمؑ کے لئے ٹھنڈک اور راحت بن جا" دوسری جماعت کہتی ہے اگر ڈال دیئے گئے تھے تو خدا نے رفَارَادُوْا بِہٖ کَیْدًا) میں کفار کی کوششوں کو "کید"، یعنی مکر وحیلہ یا منصوبہ وتدبیر کے لفظ سے کیوں تعبیر کیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ آپ آگ میں ڈالے گئے ہوں یا ڈالے جانے کی تدبیر کی گئی ہو، دونوں صورتوں میں نتیجہ ایک ہے، یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مبلّغ حق کی یاوری کی، پوری قوم اور حکومت اُن کے مقابلے میں ناکام رہی اور آپ اپنے رفیقوں کے ساتھ صحیح وسلامت اور گلدانیاں سے نکل کر کنعان کے بیابانوں میں پہنچ گئے۔

خلیلؑ و مصطفےٰؐ میں مشابہت۔ یہ مقامِ ہجرت بھی حضرت خلیل اللہ اور حضرت محمد مصطفےٰؐ کی مشابہت کا ایک عجیب مقام ہے، آپ دیکھئے دونوں بزرگوں کی یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے پس منظر میں کچھ بھی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت خلیل اللہ کی ہجرت آپ نے دیکھی، رسول اللہ کی ہجرت کا واقعہ یہ ہے کہ کفارِ مکہ کا دار الندوہ میں اجلاس ہوا اور اس میں پیغمبر اسلام کے متعلق حسب ذیل تجویزیں پیش کی گئیں:۔

۱۔ طوق اور زنجیر میں جکڑ کر ایک مکان میں بند کر دیا جائے اور اس کے دروازے تیغہ

کر دیئے جائیں۔

۲۔ ایک سرکش اونٹ پر بٹھا کر کسی بیابان کی طرف دھکیل دیا جائے۔

۳۔ تمام قبائل کے نوجوان رات کے وقت مکان کا محاصرہ کرلیں جب وہ نماز صبح کے لئے نکلیں تو یکبارگی تلواریں چلا کر کام تمام کر دیا جائے۔

جس رات کفار کی تلواروں نے پیغمبر اسلام کے مکان کا محاصرہ کیا، آپ اسی رات صدیق اکبرؓ کے ساتھ ہجرت مدینہ پر روانہ ہو گئے، کفار نے ناکامی کا منہ دیکھا اور آپ چند ہی روز میں صحیح و سلامت مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ قرآن کریم نے جس طرح بابل کی منصوبہ بازی کو کَیْد کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، اسی طرح کفار مکہ کی منصوبہ بازی کو بھی کَیْد ہی قرار دیا ہے:۔

اِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا وَّأَكِيدُ كَيْدًا	وہ تدبیریں کرتے ہیں اور خدا بھی تدبیر کرتا ہے۔
فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا	آپ انہیں تھوڑی مہلت اور دیں۔

ج۔ مقابلہ حکومت

اگر آسمانی کتابیں نوع انسان پر یہ واضح نہ کرتیں کہ حضرت ابراہیمؑ خدا کے نبی تھے تو تاریخ انسانی آپ کے ذکرِ عظیم کو بابل، کنعان اور مصر کے سب سے بڑے سیاسی اور انقلابی پیشوا کی حیثیت سے یاد رکھتی۔ آپ نے یہ دیکھا کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے اطاعتِ قانونِ حق کا علم بلند کیا۔ اس وقت مملکتِ بابل عروجِ اقتدار کی چوٹیوں پر قائم تھی۔ بادشاہِ وقت کو خدا کا درجہ دے کر اس کی پوجا ہو رہی تھی اور کسی بھی انسان کو اس میں مجالِ دم زدن نہ تھی، پھر دعوتِ ابراہیمی صرف نماز، روزہ یا

اصلاح نہ ہونے کی حد درجہ تھی۔ وہ نمرود کی مسندِ حکومت اُٹھا دینا چاہتے تھے اور اس کی جگہ حکومتِ الٰہی کا تخت بچھانا چاہتے تھے۔ پھر آپ کے اس مشن میں ایک عورت (سارہ) اور ایک مرد (لوط) کے سوا آپ کا ایک شخص بھی حامی و ناصر نہ تھا، باپ خلاف تھا، اعزہ و اقربا خلاف تھے، خاندان دشمن تھا، قوم خلاف تھی، پھر ان تمام مخالفتوں کے باوجود دلیرانہ، جوانمردی اور مجاہدانہ جرأت و بسالت کس قدر حیرت انگیز ہے کہ آپ تن تنہا سلطنت کے سب سے بڑے مندر میں گھس جاتے ہیں اور صنمِ اکبر کے سوا ہر ایک بت کی گردن پر پوری قوت سے ایک ضرب لگاتے ہیں اور چند ہی ساعتوں میں تمام بت خانے کو چور چور کر کے رکھ دیتے ہیں، اس کارنامۂ عظیم کے بعد بھی چھپتے نہیں ہیں، بھاگتے نہیں ہیں، مکر و تدبیر سے کام نہیں لیتے اور اس طرح چپ چاپ گھر چلے جاتے ہیں، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں، پھر جب قومی مجمع میں آپ کو بلایا جاتا ہے تو تن تنہا اٹھتے ہیں اور غضبناک قوم کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں اجب سلسلہ گفتگو شروع ہوتا ہے تو آپ ایک ایک بات میں قوم کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہیں، دلوں میں نشتر چبھوتے ہیں اور پوری قوم کو عاجز و سرنگوں کر کے رکھ دیتے ہیں۔ اس طرح کہ ہزاروں کے مجمع میں سے کسی ایک متنفس کو بھی کوئی بات بن نہیں پڑتی، مجمع کے تمام تر کا حضرت ابراہیمؑ پر پل پڑنے کے درپے تھے، مگر ابو الانبیاؑ کا اندازِ سخن ایسا ہے کہ سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں، جوشِ انتقام سے تمتماتے ہوئے چہرے فرطِ ندامت سے زرد پڑ جاتے ہیں اور وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ”وَانْصُرُوا اٰلِهَتَكُمْ“ اے لوگو! اپنے معبودوں کے و تار کا

Marfat.com

احساس کرو، پھر مجمع ہی میں یہ تجویزیں پیش ہونے لگتی ہیں کہ کیا کیا جائے؟ تجویزیں کرنے والوں میں خود داعیٔ حق کا باپ بھی شامل ہے، وہ اس پر رضامند ہوجاتا ہے کہ وہ بیٹے سے قطع تعلق کر دیگا۔ اور اس کے بعد وہ خود آگے بڑھ کر داعیٔ حق کو سنگساری کی دھمکی دیتا ہے۔ لیکن ان منصوبہ بازیوں کا نتیجہ کیا؟ صفر، کچھ بھی نہیں۔ بابل کی پوری مملکت میں ایک شخص بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ یہ ہے حضرت خلیل اللہ کی جرأت و جانبازی کا پیغام ہر داعیٔ حق کے نام، یہ ہیں خدا پرستی کے مبلغوں اور حکومت الٰہی کے سفیروں کے خطوط و خال۔ ایک شخص تن تنہا سلطنت کے معبدِ اعظم کے تمام بتوں کو توڑ پھوڑ کر قوم کے سامنے جا کر کھڑا ہو جاتا ہے اور یہاں بھی وہ توحید کی دعوت دیتا ہے، وہ خود نہیں جھکتا مگر ساری قوم کو جھکا دیتا ہے، یہ بے فکری، یہ بے پروائی، یہ ولولۂ جہاد، یہ جرأتِ تبلیغ، اسلام کے مبلغِ اول کا خاصہ تھا، پس آج بھی ان لوگوں کا خاصہ ہونا چاہیئے جو اسوۂ ابراہیمؑ کے مخلص متبع ہیں۔

اب مبلغِ توحید کو بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، وہ بادشاہ جو اللہ کی زمین اور اللہ کی مخلوق پر حکومت کر رہا تھا اور خدا کہلاتا تھا۔ یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ مخلوقِ خدا پر اپنی شخصی حکومت قائم کرنے کے معنی یہ ہیں کہ حکومت کرنے والے نے اپنے آپ کو انسانی جماعت سے خارج کر کے خدا بننے کی سڑک پر ڈال دیا ہے، یہی سبب ہے کہ جب بھی کسی بادشاہ نے زیادہ اقتدار پا لیا ہے، خدا کہلائے بغیر اس کے دل کی ہوس نہیں مٹی۔ قرآن بتاتا ہے کہ حضرت خلیل اللہ کے پیش ہوتے ہی بادشاہ نے پوچھا، تم خدا کس کو مانتے

ہو ؟

ابراہیمؑ۔ رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ (میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے)

بادشاہ۔ اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ (میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مار دیتا ہوں)

ابراہیمؑ۔ میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ تم اسے مغرب سے نکالو۔

فَبُهِتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ اب کافر بادشاہ سے کچھ بن نہ پڑا اور وہ حضرت خلیل اللہ کا صرف مُنہ تکتا ہوا رہ گیا۔

ایک نکتۂ تبلیغ۔ اگرچہ بادشاہ کا پہلا جواب ہی نامعقول تھا مگر حضرت ابراہیمؑ نے اُسی پر اڑنا اور حجت و تکرار کو طول دینا مناسب نہیں سمجھا، آپ نے اسی لمحہ میں دوسری بات پیش کر دی اور اب اس کی زبان جواب بند تھی۔ مبلغین کو چاہیئے کہ وہ الفاظ پر زیادہ نہ اڑیں، انہیں دلوں تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کا نظام ایک درخت کی طرح ہے جس میں پہلے جڑیں ہوتی ہیں۔ پھر ایک موٹا تنا ہوتا ہے، جس سے بڑے بڑے ڈال نکلتے ہیں، ان ڈالوں سے شاخیں، شاخوں سے باریک ٹہنیاں، ان سے نرم و نازک کونپلیں، پھر پتے، پھول اور آخر میں پھل۔ حضرت نے پہلے مذہبی پیشواؤں کو درس توحید دیا، پھر قوم کو سمجھایا، پھر اپنے خاندان پر حجت تمام کی، اور اب آخر میں بادشاہِ وقت کے سامنے کھڑے ہو کر حق کا اعلان کر کے اُسے سرنگوں کر دیا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے پتھر کے بت توڑے، اسی طرح آپ نے دلائل توحید کی ضربوں سے ان زندہ بت خانوں اور چلتے پھرتے

اور کعبے کے بتوں کو بھی پاش پاش کر دیا اور جہاں بھی ابراہیمی ضرب پڑی، انقلاب آگیا، مذہب میں انقلاب، رسوم میں انقلاب، قومیت میں انقلاب، سیاست میں انقلاب، ابراہیمیت اور انقلاب ایک ہی حقیقت کے دو نام ہیں جس سر میں انقلاب کا سودا نہ ہو، اس کی زبان کا ورد حضرت ابراہیمؑ تک نہیں پہنچتا۔

ملتِ ابراہیمؑ

خلیلؑ اور مصطفےٰ میں مشابہت

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی حقیقت کے دو جلوے ہیں یعنے دو ہیں مگر ان میں دل ایک ہے جسم الگ الگ ہیں مگر روح اُن کی مشترک ہے، البتہ اجمال اور تفصیل کا فرق ضرور ہے حضرت ابراہیمؑ اجمال ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس اجمال کی تفصیل ہیں، اِسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگواروں کی زندگی خلقِ خدا کے لئے نمونۂ تقلید قرار دی ہے :-

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ — لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

دونوں میں صرف روحانیت، اخلاق، تعلیم و تبلیغ اور مزاج کی یکسانی ہی نہیں بلکہ تعجب اِس پر ہے کہ دونوں کے تاریخی واقعات میں بھی ایک عجیب ہم آہنگی پائی جاتی ہے ۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کے دل میں اجرامِ فلکی او مشاہدہ فطرت سے خدا پرستی کی سب سے

پہلی کرن زندہ ہوئی، اسی طرح نبوت سے پہلے مشاہدۂ فطرت میں رسول اللہ کا شغف بھی اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آپ شہری آبادی سے نکل کر ۲۴ گھنٹے پہاڑوں، غاروں درختوں اور قدرتی نظاروں کی رفاقت میں بسر فرما دیتے تھے۔

۲ - دونوں بزرگواروں نے گلہ بانی کی، حضرت ابراہیمؑ نے ہجرت کے بعد وادیٔ کنعان میں اور رسول اللہؐ نے ہجرت سے پہلے وادیٔ فاران میں

۳ - خاندان، قوم اور ملک کی مخالفت دونوں کے لئے یکساں رہی، ہجرت سے پہلے دونوں کے قتل کے منصوبے ہوئے، دونوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی۔

۴ - حضرت ابراہیمؑ کے باپ نے انہیں انقطاع اور سنگساری کی دھمکی دی، رسول اللہ کے چچاؤں نے آپ پر پتھر بھی برسائے اور قطع تعلق بھی کیا۔

۵ - دونوں نے بت شکنی کی۔ حضرت ابراہیمؑ نے بابل کے سب سے بڑے مندر میں اور رسول اللہ نے فتح مکہ کے دن عرب کے سب سے بڑے معبد میں۔

۶ - دونوں نے مرکزِ کعبہ کو آباد کیا۔ دونوں نے حج بیت اللہ کو زندگی دی، دونوں نے جہاد کئے۔ ایک نے اسمٰعیلؑ کی قربانی دی اور دوسرے نے حسینؓ کی۔ دونوں دین اور ملت اور حکمت کے بانی ہوئے، ایک اوّل المسلمین اور دوسرا خاتم النبیین۔

اگر اسلام میں تناسخ کا وجود ہوتا تو ہم بہ شرور کہتے کہ وہ ایک ہی روح تھی، اس نے ابراہیمی کالبد میں آکر چند خاکے کھینچے، پھر وہی روح محمدیؐ کالبد میں آئی

اور اس نے اپنے خاکوں میں رنگ بھرا۔ اور دینِ حق کی تصویر یں مکمل کر گئی، مگر چونکہ تناسخ باطل ہے، اس واسطے ہم یوں کہیں گے کہ خلیلؑ اور مصطفےؐ ایک ہی سلسلۂ ہدایت کی دو کڑیاں ہیں۔ ایک بنیاد ہے اور دوسرا عمارت۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی ذات کو اُمّتِ مسلمہ کے ظہور کا واسطہ بنایا گیا ہے۔ اس واسطے خدا تعالیٰ نے اسلام کا نام، اسلام کا نصب العین، اسلام کی روح، ملّتِ اسلامیہ کی تعمیر، سیاست کی تنظیم اور مسلمان کا مقام آپ ہی کے فکر و عمل کے آئینہ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ پس حضرت ابراہیمؑ کی زندگی ہی وہ پہلی زندگی ہے جسے اسلام کے فکر و عمل اور تبلیغ و جہاد کی سب سے پہلی تفسیر اور تعمیر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ہم اس باب میں "ابراہیمی فکر" اور "ابراہیمی اخلاق" کی کارگذاری پیش کریں گے اور بتائیں گے کہ ملّتِ اسلامیہ کے اس اوّلین معمار نے دینِ حق کی تعمیر و تنظیم کے لئے کیا کیا بنیادیں قائم کیں؟ ہمارا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اپنی اصل متاع کو پہچانیں اور اس کی محافظت کا انتظام کریں۔

فکرِ خلیل کی تعمیری اور تنظیمی حرکت

۱۔ روحِ اسلام (سمع و طاعت) اسلام کی روح، اطاعت ہے، قانونِ حق کی اطاعت۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بانیٔ ملّت کی حیثیت سے اپنے قانون کی اطاعت کا حکم دیا اور آپ نے آلِ ابراہیمؑ اور ملّتِ ابراہیمؑ کی طرف سے خدا کو اطاعت کا قول دیا، قرآن پاک کے الفاظ یہ ہیں:-

Marfat.com

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ — جب خدا نے ابراہیمؑ کو کہا، اطاعت کا اقرار کرو۔

قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ — آپ نے وہیں کہدیا، میں رب العالمین کا فرمانبردار بن گیا۔

قانونِ حق کی فرمانبرداری، بس یہی وہ نقطہ ماسکہ ہے جس سے اسلام کا چشمہ پھوٹتا ہے اور اُمتِ مسلمہ کا سلسلہ چلتا ہے۔ قانونِ الٰہی کی اطاعت، بس یہی ایک وہ مرکز ثقل ہے کہ جو اس سے جڑ گیا، وہ مسلمان۔ اور جو اس سے کٹ گیا، وہ کافر۔ کوئی شخص شرقی ہو یا غربی، گورا ہو یا کالا۔ سیّد ہو یا برہمن، رنگ، نسل، زبان اور ذات پات کی تمیز کے بغیر سوال صرف ایک ہے، اور وہ یہ کہ تم قانونِ الٰہی کے مرکز اطاعت سے جڑے ہوئے ہو یا کٹے ہوئے؟ جڑے ہوئے ہو تو مسلمان، کٹے ہوئے ہو تو کچھ اور۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ — اللہ کے سوا ہرگز کوئی حاکم نہیں

کیوں؟ اس لئے کہ زمین اُسکی، پیدائش اُس کی اور اِس لئے حکم بھی اُس کا:۔

اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ — سنو! زمین اللہ کی ہے۔

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ — سنو! اسی کی پیدائش اسی کے لئے حکم۔

اَلَا لَهُ الْحُكْمُ — سنو! حکم کرنا اُسی کا حق ہے۔

اطاعت ذاتی نہ نبی کی ہے نہ امام کی، نہ پیر کی، نہ انگریز کی۔

لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ — اُسکی حکومت میں کوئی شریک نہیں۔

لَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا — وہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ملوکیت اور شہنشاہی کا دعویٰ کر کے لوگوں سے اطاعت کرانے والے لوگ ظالم ہیں :-

مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ — وہ مالک ملک ہے، جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے۔

رَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ اِلٰهِ النَّاسِ — سب انسانوں کا پروردگار، سب کا بادشاہ سب کا معبود۔

اختیاراتِ حکومت کے متعلق پیغمبر اسلام اور کفار میں اس طرح فیصلہ ہوا تھا:-

کفار۔ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ — کیا اختیارات میں کچھ ہمارا حصہ ہوگا؟

قرآن۔ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ — کہو، جملہ اختیارات حکومت اللہ کے لئے ہیں۔

سب انسان ایک قوم ہیں، اس واسطے سب کے سب ایک ہی قانون کے تابع ہوں۔

اِنَّ هٰذِهٖ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً — بے شک تم سب ایک ملت ہو۔

وَاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنَ — اور میں ایک تمہارا رب ہوں، پس میری ہی اطاعت کرو۔

اسی کا نام دینِ قیم ہے اور یہی صراطِ مستقیم ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ۔ — حکم اللہ کے سوا کسی کا نہیں اور حکم یہ ہے کہ اس کے سوا کسی کا حکم نہ مانو، یہی دین قیم ہے۔

احکام بالا سے ظاہر ہے کہ ابراہیمی ملت کی بنیاد اصلی یہ ہے کہ سب انسان ایک خدا کے قانون کی اطاعت کریں جضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بنیاد پر اسلامی تمدن

Marfat.com

کی پوری عمارت کھڑی ہے اور قیام تمدن کے لئے حسب ذیل احکام دیئے ہیں :-

حکم اوّل - لَاطَاعَةَ لِمَنْ لَا يُطِعِ اللّٰہ - جو اللہ کی اطاعت نہیں کرتا، اس کی اطاعت بالکل نہ کی جائے۔

حکم دوم - اُوْصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَاِنْ كَانَ عَبْدًا حَبَشِيًّا - میں تمہیں خوفِ خدا کی وصیت کرتا ہوں۔ تمہارا فرض ہے سننا اور اطاعت کرنا، خواہ حبشی غلام ہی تم پہ کیوں نہ امیر بنایا جائے۔

حکم سوم - لا يحل لثلاثة يكون في الفلاة من الارض الا امروا احدهم - اگر تین مسلمان کسی ویرانے میں ہوں تو انہیں وہاں رہنا حلال نہیں جب تک وہ اپنے میں سے ایک امیر نہ بنالیں۔

حکم چہارم - خود کو امارت کے لئے پیش نہ کرو - ایسا کرنا قیامت کی ندامت ہے۔ (حدیث ابوہریرہ بخاری کا)

ان احادیث سے کیا ثابت ہوا؟ اصول یہ ہے کہ سب انسان ایک خدا کی اطاعت کریں عملی زندگی میں اس اصول کا اطلاق اس طرح ہو کہ انہیں اشخاص کی اقتدا کی جائے جو خدا کے مطیع ہوں - اس اصول کو اس درجہ عام کیا جائے کہ اگر کہیں تین مسلمان بھی ہوں تو وہ ایک کو اپنا امیر بنالیں یعنی ایک مسلمان بھی مرکزِ امارت سے الگ نہ رہے، جب کوئی اطاعت گذار امیر چنا گیا اور نظام قائم ہوگیا تو پھر دوسرا آدمی امارت کا امیدوار نہ بنے اور نہ امارت کی حرص کرے تاکہ ایک خدا کی رعیت میں دو دل، دو ارادے، دو رائیں پیدا نہ ہوں۔

آج ہزارہا مسلمان زوالِ ملت کے اسباب کی تحقیق کے درپے ہیں، وہ سب سے

Marfat.com

پہلے یہ دیکھیں کہ ہماری قوم آج اطاعت کس کی کر رہی ہے؟ جب مسلمان کہلوانے والے کفر کی امداد اور غیر خدا کی اطاعت کر رہے ہوں تو پھر پوچھنے کی ضرورت نہیں کہ غلبہ کفر کو ہوگا یا اسلام کو؟ دوستو! اسلامی ترقی کی ابجد یہ ہے کہ اپنے دل میں قانونِ خداوندی کے اتباع کا بے لاگ جذبہ پیدا کرو۔

۲۔ ملّت کا نام (مسلمان)

دنیا میں بے شمار قومیں، جماعتیں اور انجمنیں ہیں اور وہ کسی نہ کسی بنیاد پر منظم ہوئی ہیں بعض وطنیت کے نام پر جیسے چینی، یونانی اور امریکن وغیرہ۔ بعض ذات پات، نسل، رنگ کے اتحاد پر جیسے حبشی، آریہ، اور بدھ وغیرہ۔ بعض عقائد و نظریات کے اشتراک پر، جیسے اشتراکی، نازی اور مارکسی وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان میں سے کسی چیز کو بھی اپنی ملت کی بنیاد قرار نہیں دیا، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عہد کیا تھا اور اسی عہدِ اطاعت پر اپنی ملّت کی تنظیم فرمائی۔ ایک وقت اس عہدِ اطاعت میں وہ بالکل اکیلے تھے اور کوئی دوسرا اُن کے ساتھ شریک نہ تھا۔ کچھ عرصہ بعد اور لوگ بھی اُن کے ساتھ شامل ہو گئے اور آخر کار ان اطاعت گذاروں نے ایک قومیت کی شکل اختیار کر لی۔ جب آپ عہدِ اطاعتِ الٰہی میں اکیلے تھے تو آپ نے اَنَا اَوَّلُ المُسْلِمِیْنَ کا نعرہ بلند کیا، جب اور لوگ بھی آپ کے ساتھ شریکِ اطاعت ہوئے تو آپ نے اَنَا مِنَ المُسْلِمِیْنَ (میں بھی مسلمانوں میں شامل ہوں) کا پیغام سنایا اور جب خدا کے ان اطاعت گذاروں نے ایک قوم اور ملّت کی شکل

پیدا کی زندگی کی طرف سے پھر یہ اعلان ہوا :۔

مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيمَ — تمہاری ملت تمہارے باپ ابراہیمؑ کی ملت ہے۔

وَهُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ — اور اس نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے۔

چونکہ اُمتِ مسلمہ کی بنیاد عہدِ اطاعتِ الٰہی پر تھی، اس واسطے اس اُمّت کا نام بھی **اطاعت گذار اُمّت** قرار پایا۔ پھر جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو آپ نے اِسی ابراہیمی بنیاد کو پکڑ لیا اور فرمایا :۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا — ابراہیمؑ یکرنگ کی ملت کا اتباع کر۔

حنیف کا مطلب یہ کہ اس اُمت کی زندگی میں خدا کے سوا کسی بھی غیر طاقت کے حکم کی اطاعت شامل نہ ہوگی۔ نہ نام میں، نہ کام میں، نہ عقاید میں، نہ اخلاق میں، نہ سیاست میں، نہ تمدن میں، غرضیکہ اُمتِ مسلمہ، زندگی کے کسی بھی شعبہ میں غیر اسلامی تمدن کی نقال نہ ہوگی۔

— اِس ملت کا نام بھی وہی ہوگا جو قانونِ الٰہی نے تجویز کیا ہے یعنی اطاعت گذار اُمت (اُمتِ مسلمہ)

— اِس ملت کا نصب العین بھی وہی ہوگا جو قانونِ الٰہی نے تجویز کیا ہے یعنی خدا کی اطاعت

— اِس ملت کا تمدن بھی قانونِ الٰہی پر مبنی ہوگا۔ صرف قانونِ الٰہی پر۔

— اِس ملت کی سیاست بھی قانونِ الٰہی پر مبنی ہوگی، صرف قانونِ الٰہی پر۔

— اِس ملت کی تہذیب، کلچر، اخلاق، عقاید اور رسوم سب قانونِ الٰہی پر مبنی ہونگے

Marfat.com

اور کوئی غیر اسلامی، غیر الہٰی، وطنی اور ملکی تخیّل، اُس کا سرچشمہ مشرق ہو یا مغرب اُمّت اسلامیہ کے جماعتی نظام میں شامل نہ ہوگا۔ اچھی طرح سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ اسی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ ایک ایسی قوم پیدا کریں جس کا صرف ایک اللہ کے قانون پر کھڑے ہو کر زندہ رہنا اور اس کی اطاعت میں جان دینا نصب العین ہو۔ چونکہ اس عظیم الشان نصب العین کی تکمیل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق تھی، اس واسطے حکم ہوا:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

اے محمدؐ! اعلان کر دو بے شک میری قربانی اور میرا جینا اور میرا مرنا صرف ربّ العالمین کے لئے ہے۔

چونکہ انتشار، تفریق، انارکی، اختلاف اور پارٹی بازی کی صورت میں ایک قانونِ حق کی دھار پر کھڑے ہو کر زندگی بسر کرنا ممکن ہی نہ تھا، اس واسطے اسلام میں بڑی سے بڑی کوشش یہ کی گئی کہ افراد پر تفرقہ اور علیحدگی کی راہیں قطعی طور سے بند کر دی جائیں۔ چنانچہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیمی وحدت حنفیت اور یک رنگی کو محکم طور پر پکڑ لیا اور حکم دیا، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، سب مسلمان مل کر، سب مسلمان اپنے کو ایک جسم اور ایک وجود سمجھ کر اللہ کی رسّی (اللہ کے قانون) کو مضبوط پکڑ لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو جاؤ۔ جَمِیْعًا کا یہ مطلب کہ سب مسلمان ایک شخص بن کر ایک راستے پر چلو، لَا تَفَرَّقُوْا کا یہ مطلب کہ نہ سیاسی پارٹیاں بناؤ، نہ مذہبی فرقے بناؤ اور نہ ذات پات کے نام پر جُداجُدا کمیٹیاں بناؤ۔ ایک خدا ہے، ایک

شریعت ہے، ایک رسول ہے، ایک قبلہ ہے، اسی طرح تم سب بھی ایک قومی وجود بن جاؤ، جس میں کسی نوع کی بھی کوئی تفریق نہ ہو۔

وَاتَّبِعْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا کا مطلب یہ کہ اجتماعی زندگی میں حضرت ابراہیمؑ کے اصولوں کی پیروی کرو، ان اصولوں پر چلنے کا آخری نتیجہ صرف ایک ہونا چاہیئے، وہ یہ کہ "سب مسلمان ایک شخص کی طرح ایک خدائی راستے پر چلیں" حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا مشن بھی اسی مقصد کی تکمیل ہے۔ آپ ایمانیات سے شروع کریں۔

۱۔ ارکانِ ایمان کا مطلب یہ ہے کہ ایک خدا کا حکم مانیں اور فرشتوں، کتابوں اور رسولوں میں کوئی تفریق روا نہ رکھیں اور یہ سمجھ کر کہ سب مخلوق کے لئے ایک عمل کا ایک نتیجہ ہے، راہِ حق کا اتباع کریں۔

۲۔ کلمہ طیب کا مطلب یہ ہے کہ سب مسلمانوں کا حاکم بھی ایک ہے۔ (اللہ) اور نمونہ زندگی بھی ایک ہے۔ (محمد رسول اللہ)

۳۔ نماز پنجگانہ کا مطلب یہ ہے کہ سب مسلمان ایک وقت، ایک لائن میں، ایک طرف منہ کر کے ایک امام کے پیچھے کھڑے ہو جاؤ، پھر اکٹھے اٹھو، اکٹھے جھکو اور اکٹھے بیٹھو اور ایک زبان سے ایک ہی الفاظ نکالو۔

۴۔ روزہ کا مطلب یہ کہ سب کے سب مسلمان فاقہ کرو تو اکٹھے اور لقمہ اٹھا کر کھاؤ تو اکٹھے۔

۵۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ کہ سب کے سب مسلمان ایک وقت ایک ہاتھ سے خدائی ٹیکس لاؤ

اور پھر دوسرے ہاتھ ایک نظام کے ماتحت اُسے تقسیم کر دو۔

۶۔ حج کا مطلب یہ کہ سب مسلمان ایک آواز پر ایک ہی وقت اور ایک ہی لباس میں ایک مرکز کی طرف دوڑو اور سب کے سب مل کر ایک نعرۂ لبیک بلند کرو۔

اس غرض سے کہ سب مسلمان تمام تفریقات مٹا کر ایک قومی وجود بن جائیں، یہاں تک فرمایا:۔

لَا اِسْلَامَ اِلَّا بِجَمَاعَةٍ وَلَا جَمَاعَةَ اِلَّا بِاِمَارَةٍ وَلَا اِمَارَةَ اِلَّا بِطَاعَةٍ "کوئی اسلام نہیں اگر جماعت نہ ہو، اور کوئی جماعت نہیں اگر امیر نہ ہو اور کوئی امارت نہیں اگر اطاعت نہ ہو"۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام نام ہی تین چیزوں کا ہے، جماعت، امارت اور اطاعت کا۔ اگر آپ اطاعت نہیں کرتے، امیر نہیں بناتے اور اجتماعی زندگی نہیں رکھتے تو حدیث کہتی ہے کہ نہ اسلام موجود ہے، نہ آپ مسلمان ہیں۔ صحیح مسلم میں فرمایا: مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ فَمَاتَ مِیْتَةَ الْجَاهِلِیَّةِ، جو شخص ملت کے اجتماعی نظام سے علیحدہ ہو گیا وہ کفر پر مرے گا۔ جماعت سے علیحدگی کا مطلب یہ ہے کہ کوئی الگ فرقہ بنا لیا جائے اور امیرِ امت کی اطاعت نہ کی جائے، ہاں اگر کسی وجہ سے یہ معیاری صورت باقی نہ رہ گئی ہو تو پھر دوسرے درجے میں رسول اللہؐ نے یہ حکم دیا ہے:۔

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّهٗ مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ ملت کی اکثریت کا ساتھ دو بے شک جو شخص جماعت سے الگ ہو گیا وہ دوزخی ہے۔

بخاری شریف کی ایک حدیث میں تفرقہ کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے۔ حضرت

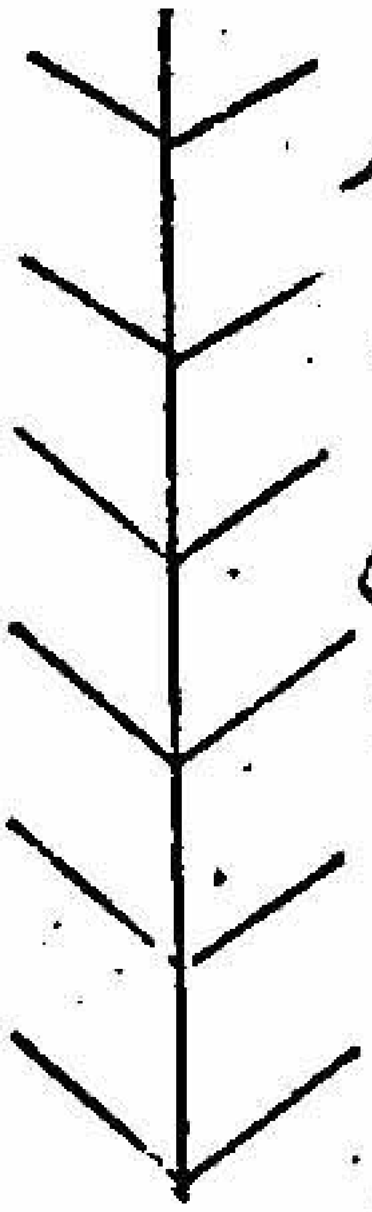

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک دن پیغمبرؐ اسلام نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور پھر فرمایا۔ اللہ کا راستہ ہے، پھر آپ نے دائیں بائیں اور بہت سی لکیریں کھینچیں اور فرمایا، یہ دوسرے راستے ہیں جن کی طرف شیطان بلاتا ہے اور آخر میں فرمایا اِنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ یہ میرا سیدھا راستہ ہے اس پر چلو۔

اس حدیث کی تشریح عام طور پر غلط کی جاتی ہے۔ راہِ خدا سے مراد ہے اسلام یعنی ایسی اجتماعی زندگی جو حضرت ابراہیمؑ کے اصولوں پر مبنی ہو، اس میں مذہبی، سیاسی، ملّی اور ملکی فرقہ بندیوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ آپ کسی بھی حنفی، شافعی، مالکی، شیعہ، قادری، چشتی وغیرہ سے پوچھیں، وہ آپ سے کہیں گے کہ ہم ٹیڑھا راستہ پر نہیں ہیں، اس لئے کہ ہم اپنے امام کے ذریعہ سے درحقیقت خدا اور رسول ہی کا اتباع کر رہے ہیں۔ آپ ان سے پوچھیئے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ نے آپ کا نام مسلمان رکھا تھا، اب آپ حنفی، شیعہ، احمدی، اہلحدیث اور اہل قرآن کیوں کہلانے لگے؟ یہ مانا کہ آپ نے عقاید و اعمال میں راہِ ثواب سے انحراف نہیں کیا ہے مگر اپنے فرقہ کا الگ نام رکھنے میں تو انحراف کیا ہے، آپ کا یہ محدود انحراف ہی اپنی اسی حد تک شیطانی ہے۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ جب یہود نے "یہودی ہو جاؤ" کا اور نصاریٰ نے "عیسائی ہو جاؤ" کا نعرہ بلند کیا تو پیغمبرؐ اسلام نے اُن کے ان نعروں کو قبول نہ کیا اور فرمایا:۔ مِلَّةَ اِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا یعنی مسلمان ہو جب پیغمبر [illegible]

علیہ وسلم نے نبیوں کے نام پر فرقہ بنانے کی اجازت نہ دی ہو تو آپ اماموں، صوفیوں اور لیڈروں وغیرہ کے نام پر الگ الگ فرقے بنانے میں کس طرح حق بجانب ہو سکتے ہیں؟ میں اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ کہتا ہوں کہ ایک ملت و اجتماعی نظام کے اندر الگ نام سے کوئی فرقہ بندی (اجتماعی نظام) بنانا نتائج کے لحاظ سے بڑی شیطانی فعل ہے۔ شاید یہاں یہ پوچھا جائے اگر عام مسلمانوں کے اندر صحیح معنوں میں قانون خدا پر چلنے والی ایک الگ جماعت پیدا کی جائے تو کیا یہ بھی ممنوع ہے؟ ہاں عمل و اطاعت منع نہیں، اگر ایسی جماعت بنانا جس کے لئے آگے چل کر فرقہ بننے کا امکان ہو، منع ہے آپ تمام قوم کو ایک انجمن سمجھ کر اپنے شہر، ضلع یا ملک کے مسلمانوں کی خدمت کریں۔ آپ کو سوادِ اعظم کے ساتھ رہنا چاہیئے اور اجتماعی طور پر سب کی خدمت کرنی چاہیئے۔ آپ کا یہ حق نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے اندر ایک نئی نبوت پیدا کریں۔ نبوت کے اندر نبوت، اس لئے کہ گذشتہ ۱۳ صدیوں میں جتنے بھی فرقے پیدا ہوئے ہیں، انہوں نے آخر کار معمولی فروعی اختلاف کو دین کا اختلاف بنا دیا ہے۔ اس کی قریب ترین مثال موجودہ زمانہ کے فرقے ہیں۔ آج شیعہ اور اہلحدیث میں نکاح نہیں ہو سکتا۔ ایک قادیانی غیر قادیانی کا جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ بریلوی کے نزدیک دیوبندی کافر ہیں۔ ایک بریلوی کی دیوبندی کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ یہ حالت آج کی نہیں ہے۔ آیئے پچھلے واقعات پر ایک نظر ڈالیں:-

۱- بنی امیہ اور بنی عباس کی نسلی فرقہ بندی کے باعث حضرت علیؓ کے زمانہ میں اس

Marfat.com

قدر اصحابی شہید ہوئے کہ وہ آدمی زمین کو فتح کرنے کے لئے کافی ثابت ہو سکتے تھے۔

۲۔ حضرت علیؓ کی آدھی قوت خارجیوں سے جنگ کرنے میں برباد ہو گئی۔

۳۔ "امام احمد بن حنبل کافر نہیں مگر ان کے پیرو کافر ہیں" (شریف ابو القاسم ۴۷۵ھ)

۴۔ الپ ارسلان کے زمانہ میں اشعریوں پر برسر منبر لعنت کی جاتی تھی۔ (الغزالی)

۵۔ امام ابو القاسم قشیری کے بیٹے حنابلہ پر پتھر برسایا کرتے تھے، اس پر دونوں فرقوں میں سخت خونریزی ہوئی۔

۶۔ محمد بن احمد (امام معتزلہ) کو مخالف فرقہ والوں نے ۵۰ سال تک گھر سے باہر نکلنے نہیں دیا۔

۷۔ چھٹی صدی میں بغداد اور دمشق کے حنفیوں اور شافعیوں اور حنبلیوں میں اس قدر عام بلوے اور خونریزیاں ہوئیں کہ سلطنت میں بدامنی پیدا ہو گئی۔

۸۔ ہلاکو خاں کو اسلامی سلطنت پر حملہ آور ہونے کی ذرا بھی ہمت نہ تھی مگر شیعیوں نے سنیوں کی ضد میں آکر اسے حملہ کرنے کی دعوت دی اور اس طرح تمام ملک خلافت کا دامن پارہ پارہ ہو گیا۔

۹۔ تقلید شخصی اور مذہبی فرقہ بندی کے تعصب اور حنفیوں اور شیعوں کے باہمی پیکار نے تاتاریوں کو (ملک خلافت پر) حملہ کرنے کی دعوت دی۔ اس وقت ہر فرقہ کے لئے الگ الگ قاضی، الگ الگ مدارس، اوقاف، ائمہ جمعہ اور مذہبی

عہد نے فسادات برپائے، جس گروہ کو حکومت میں زیادہ دخل ہوا، اس نے دوسروں کو قید خانوں اور جلاوطنیوں کی مصیبت تک پہنچا کر چھوڑا۔ (تذکرہ مولانا ابوالکلام آزاد)

۱۰- میں نے دیکھا کہ جامع مسجد دمشق میں ۱۳ امام تھے اور یہ اپنے اپنے فرقوں کو لے کر ایک ہی مسجد کے اندر نماز باری باری پڑھاتے تھے اور اس طرح اوّل روز سے تہائی رات تک برابر نمازیں ہوتی رہتی تھیں (سفر نامہ ابن بطوطہ)

۱۱- مکہ معظمہ میں چاروں نمازیں چاروں فرقوں کے امام باری باری پڑھاتے مگر مغرب کے وقت چار جماعتیں ہوتیں اور اکثر ایک امام کی تکبیر (رکوع وسجود) پہ دوسری جماعت کے مقتدی رکوع وسجود میں چلے جاتے تھے۔ (سفر نامہ ابن بطوطہ)

۱۲- رضا شاہ پہلوی سے پہلے تک شیعہ اور سنّی حکومتوں میں جو یہ خاش جاری رہتی تھی، اس سے آپ سب خوب واقف ہیں۔

غور کیجئے۔ مذہبی، سیاسی اور نسلی فرقہ بندیوں کی تاریخ کس قدر تلخ اور ہلاکت انگیز ہے۔ تکفیر، بلوے، قتل، دشمن کو اسلامی ملک پر حملوں کی دعوت دینا، نمازوں میں علیحدگی، ایک فرقے والے کی آڑ پہ دوسرے فرقے والوں کا اپنی مسجدوں کو دھونا، علما کا ایک دوسرے کو قید اور جلاوطن کرنا۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہماری فرقہ بندیوں نے مسلمانوں مسلمانوں میں وہ تنفّر پیدا کر دیا تھا اور اب بھی کر رہی ہیں جو مسلمان اور کافروں میں بھی نہیں ہے۔

راہِ نجات یہ ہے کہ مسلمان اپنی قومیت کی ابراہیمی بنیادوں کو قائم کریں،

یعنی وہ صرف مسلمان نہیں اور اسوۂ رسولؐ کے مطابق جماعت، امارت اور اطاعت کا اصول سامنے رکھ کر قانونِ حق کی اطاعت میں سرگرم ہوجائیں، افراد کی نجات بھی اس طرح ہوسکتی ہے اور قوم کی بھی۔

۳۔ پہلے امتحان، پھر امامت

اسلام کو ایک خاص روح دی گئی یعنی روحِ اطاعت حق۔ ابراہیمی پیروؤں کو ایک خاص لقب مل گیا،

یعنی مسلمان (اطاعت گذار)۔ جب اللہ کے یہ اطاعت گذار بندے روحِ اطاعت میں گداز ہو کر آگے بڑھے تو اُن سے ایک خاص قومیت وجود میں آنا شروع ہو گئی۔ یعنی امتِ مسلمہ (اطاعت گذار قومیت)۔ اس کے بعد ذکرِ ابراہیمؑ کو جو مرحلہ پیش آیا، اس کے متعلق قرآن کہتا ہے :۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ۔

خدا نے چند باتوں میں ابراہیمؑ کی آزمائش کی جس میں وہ بالکل پورے اُترے اس پر حکم ہوا :۔

اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔

اے ابراہیمؑ! میں تجھے انسانوں کا امام بنانے والا ہوں۔

نکتہ۔ اس آیت سے وہ بنیاد معلوم ہو گئی جس پر پہلے دن ملتِ ابراہیمؑ کی امامت قائم کی گئی تھی۔ پہلے ہی دن یہ طے پا گیا کہ امتحان پہلے ہوگا، اس پر پورے اُترے تو پھر امامت کا درجہ حاصل ہوگا۔ ہمیں یہاں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے چند اشعار یاد آ گئے جو تبرک

خلافت میں خلافت کمیٹی نے ایک وفد تیار کیا تھا کہ وہ انگلستان میں جا کر وزیر آئے حکومت سے یہ درخواست کرے کہ وہ ترکی خلافت کو بحال کر دیں، اس پر ڈاکٹر اقبال نے چند شعر کہے اور انہیں ممبرانِ وفد کے پاس بھیج دیا :-

اگر ملک ہاتھوں سے جاتا ہے تو جائے　　　تو احکامِ حق سے نہ کر بے وفائی

نہیں تجھ کو تاریخ سے آگہی کیا　　　خلافت کی کرنے لگا تو گدائی

خرید یں نہ ہم جس کو اپنے لہو سے　　　مسلماں کو ہے ننگ وہ بادشاہی

" مرا از شکستن چناں عار نائد　　　کہ از دیگراں خواستن مومیائی "

ابراہیمی خلافت کے متعلق اللہ کا حکم، اللہ کا وعدہ اور اللہ کا فیصلہ یہی تھا کہ پہلے امتحان ہوگا، قربانی ہوگی اور جب اس میں پورے اترے تو خلافت مل جائے گی۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اسلامی خلافت و امامت، کفار کا عطیہ نہیں، بلکہ وہ ملتِ ابراہیمؑ کی قربانی کا پھل ہے، حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح جب ایمان، امت کی گردنوں پر چھری رکھی جائے تو یہ خلافت پیدا ہوتی ہے اور پھر حضرت حسینؓ کی طرح مردانِ عمل کی گردنیں کٹ کٹ کر ڈھیر ہو جائیں تو اس خلافت کی حفاظت ہوتی ہے اور یہ جو اس وقت دوسرے طریقے رائج ہیں، ان سے ممبریاں اور ملازمتیں تو مل سکتی ہیں مگر ان سے خلافت قائم نہیں ہو سکتی۔

اب رہا یہ سوال کہ حضرت ابراہیمؑ نے کیا کیا امتحان دیئے؟ اس کی کچھ تشریح پہلے رسالہ "اسوۂ ابراہیمؑ" میں ہو چکی اور مزید تشریح رسالہ قربانی اور خطبات میں ملاحظہ

Marfat.com

فرمائیں :۔

درجۂ امامت کی بشارت پانے کے بعد فکرِ ابراہیمؑ نے ایک قدم اور اٹھایا :۔

ابراہیمؑ ۔ وَمِن ذُرِّيَّتِي ۔ اے اللہ! کیا یہ امامت میری اولاد کو بھی ملے گی ؟

خدا ۔ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ۔ میرا یہ وعدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا ۔

اس کا یہ مطلب کہ ابراہیمی امامت، شخصی حکومت نہ تھی بلکہ قومی اور جماعتی حکومت تھی، اسی واسطے حضرت ابراہیمؑ نے تو یہ سوال کیا کہ وہ قومیں اور نسلیں جو میری دعوت قبول کریں گی، کیا انہیں بھی درجۂ امامت دیا جائے گا ؟ مگر جواب یہ دیا گیا کہ اس نعمت کا تعلق ابراہیمی اور غیر ابراہیمی نسل سے اتنا نہیں جتنا کہ ظلم و عدل سے ہے، جب ملّتِ ابراہیمؑ ظلم کا ارتکاب کرنے لگے گی تو وہ درجۂ خلافت سے محروم کر دی جائیگی۔ ظلم سے مراد شرک ہے ۔ شرک کی حالتیں دو ہیں، ایک شخصی اور دوسرے قومی ۔ شخصی شرک میں افراد اپنے نفس اور مفاد کے پجاری بن جاتے ہیں اور اگر انہیں شخصی فائدہ پہنچتا ہو تو وہ اُن اجتماعی اصولوں کو جن پر خدا نے ملّتِ ابراہیمؑ کی بنیاد رکھی ہے ترک کر دیتے ہیں ۔ قومی شرک، فرقہ بندی ہے، ان فرقہ بندیوں میں دین کے نام پر اشخاص کی پوجا کی جاتی ہے اور دینِ حق کی عمومیت کا، رواداری کا، اور ملّت کے مجموعی مفاد کی تنظیم کا احساس باقی نہیں رہتا اور ان گروہ بندیوں میں اگر خدا بھی کہیں پوجا جاتا ہے تو وہ بھی محض اشخاص کے واسطہ سے ۔ خدا اور بندے کے درمیان اگرچہ کوئی چیز حائل نہیں ہے مگر فرقہ بندیوں کی صورت میں خود بندے، خدا تعالیٰ اور اس کے بندوں کے

Marfat.com

درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ ذکرِ ابراہیمؑ کا یہ پہلو کہ جب آپ نے ورثۂ امامت پالیا تو آئندہ نسلوں کے مستقبل کا بھی فکر کیا، ہمارے لئے خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ ابراہیمی خلافت کی تین بنیادیں ہوئیں۔

۱۔ ابراہیمی امامت قربانی سے وجود میں آتی ہے۔

۲۔ اجتماعی نظام (جماعت، امارت، اطاعت) پر قائم رہتی ہے۔

۳۔ امام کا عدل اور قومی عدل کا فکر اُسے آگے بڑھاتا ہے۔

مقامِ عبرت۔ ہم ابراہیمی امامت کے مستقبل پر ایک نظر ڈالنا چاہتے ہیں، آپ نے جیسا کہ ابھی پڑھا، خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو چند باتوں میں آزمایا، آپ پورے نکلے، اِس پر بحکمِ خداوندی انسانوں کے امام بنا دیئے گئے اور اس طرح یہ معاملہ ہمیشہ کے لئے صاف ہو گیا کہ ابراہیمی خلافت، پھولوں کا بستر نہیں بلکہ وہ خدا کے امتحانوں میں پورا اُترنے کا قدرتی پھل ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ آئندہ جو بھی لوگ اِس وراثت کے لئے آگے بڑھیں انہیں امتحانوں کے لئے تیار ہو کر آگے آنا چاہیئے۔

نکتہ۔ حضرت ابراہیمؑ "امام" بنائے گئے ہیں۔ "امام" اس آدمی کو کہتے ہیں جو کسی جماعت کے آگے ہو اور سب سے پہلے خود کام کرے اور پھر دوسرے لوگ اس کے نمونے کی پیروی کریں حضرت ابراہیمؑ کی امامت کا یہ مطلب کہ وہ آگے بڑھ کر دُنیا کے سامنے سب سے پہلے خود اطاعتِ قانونِ الٰہی کا نمونہ پیش کریں گے۔ اور پھر باقی لوگ آپ،

Marfat.com

کی اتباع کریں گے۔

۲۔ حضرت ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت اسحاقؑ سے بنی اسرائیل یعنی یہود و نصاریٰ چلے اور بنی اسمٰعیلؑ میں رسول اللہ پیدا ہوئے جن کے نام لیوا ہم مسلمان ہیں۔ جب حضرت ابراہیم نے کہا "اے خدا! کیا میری اولاد کو بھی درجۂ امامت ملے گا؟" تو اس سے آپ کی مُراد یہ تھی کہ یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں تینوں قوموں میں خلافت کے جاری رہنے کا قانون کیا ہوگا؟ حکم ہُوا: لَا یَنَالُ عَهْدِی الظَّالِمِیْنَ، جو بھی قوم ظالم ہوگی، وہ محروم ہو جائے گی۔ آج تک خدا کا یہ وعدہ اِس طرح پُورا ہوتا رہا ہے :-

۱۔ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد جلدی ہی بنی اسمٰعیلؑ (حجازی) بگڑ گئے، اِس پر خدا تعالیٰ نے ساری ابراہیمی وراثت یہود و نصاریٰ کو دے دی۔

۲۔ چند صدیوں کے بعد، بنی اسرائیل بھی بگڑ گئے۔ تب حضرت محمدؐ نے بنی اسمٰعیلؑ میں مبعوث ہو کر حجازیوں کو پھر ابراہیمی بنیادوں (جماعت، امارت، اطاعت) پر قائم کر دیا اور یہ لوگ یہود و نصاریٰ کی تمام سلطنتوں (میراثِ ابراہیمؑ) کے وارث بن گئے۔

۳۔ تیسری منزل میں ایک عجیب انقلاب واقعہ ہُوا۔ مسلمان اور عیسائی اقوام دونوں زبان سے ابراہیمؑ اور اُن کی تعلیم کی اطاعت کا دم بھرتی رہیں مگر مسلمانوں نے اپنی جماعتی زندگی میں تنظیم جماعت کے ابراہیمی اصولوں کو ترک کر دیا اور منتشر ہو گئے مگر عیسائی

اقوام نے ذاتی غور و فکر اور عقل و سائنس کی مدد سے اپنے اندر اجتماعی زندگی کی خوبیاں پیدا کر لیں، اس واسطے وہ گر گئے اور یہ غالب آ گئے۔

۴۔ گذشتہ اور موجودہ جنگِ عظیم سے ثابت ہو رہا ہے کہ چونکہ عقل، وحی کی طرح صرف نور نہیں ہے بلکہ اس میں تاریکی بھی ملی ہوئی ہے، اس واسطے مسیحی اقوام نے جو تنظیم صرف عقل کی مدد سے کی تھی۔ اُس کی اندرونی تاریکیاں نمایاں ہو کر انہیں دوبارہ گرا رہی ہیں۔ اگر اس وقت مسلمان حکمِ خدا کے مطابق اپنی جماعتی زندگی درست کر لیں تو وہ میراثِ ابراہیمؑ پر پھر قابض ہو سکتے ہیں۔

۴۔ مرکزِ تنظیم و تبلیغ حضرت ابراہیمؑ کو درجۂ امامت مل گیا۔ یہ طے پا گیا کہ یہود، نصاریٰ اور مسلمانوں میں جو بھی ظالم ہو گا، اُس سے یہ درجہ چھین لیا جائے گا، اس قرار داد کے بعد حضرت ابراہیمؑ یہی کر سکتے تھے اور یہی انہوں نے کیا کہ بیت ایل اور خانہ کعبہ کی شکل میں بنی اسحاقؑ اور بنی اسمٰعیلؑ کے لئے مرکزِ تنظیم و تبلیغ بنا دیئے تاکہ اُن کی ملت منظم رہے اور درجۂ امامت سے محروم نہ ہو، خانہ کعبہ کی تعمیر کا واقعہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ ۸۵ برس کی عمر میں حضرتؑ کو اولاد کی خواہش پیدا ہوئی، حضرت سارہؑ نے خود مشیتِ الٰہی کا آلہ کار بن کر اُنہیں حضرت ہاجرہ سے نکاح کرنے کی ترغیب دی۔ پھر جب وہ حاملہ ہو گئیں اور اس کے بعد اسمٰعیل تولد ہوئے تو انہوں نے پھر مشیتِ الٰہی کا آلہ کار بن کر حضرت ہاجرہ کو گھر سے الگ کر دینے پر مجبور کر دیا اور اس طرح یہ دونوں ماں اور بیٹا وہاں آ پہنچے جہاں اب مکہ معظمہ آباد

Marfat.com

ہے۔ انہیں دنوں یہاں ایک پانی کا چشمہ ظاہر ہوا، اس پر اور لوگ بھی آباد ہونے لگے۔ کچھ دیر بعد حضرت ابراہیمؑ یہاں تشریف لائے اور انہوں نے اس غرض سے کہ میری ملت خداپرستی، تنظیم اور امامت کے درجے سے نہ گرے، حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کو تعمیر کر دیا، (یہ سب قدم اس لئے اٹھائے جا رہے تھے تاکہ یہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوں) خانہ کعبہ بن گیا تو خدا نے اپنا حکم بھیج کر اُسے مَثَابَةً لِلنَّاسِ یعنی لوگوں کے لئے جمع ہونے کا مرکز۔ وَاَمْنًا۔ اور امن کا مرکز۔ اور وَاتَّخِذُوا مِنْ مَقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى۔ ابراہیمؑ کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مرکز بنا دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کے مقصد تین تھے (۱) تنظیم (۲) امن اور (۳) عبادت، یعنی یہ گھر ملتِ ابراہیمؑ کے جمع و تنظیم کا دفتر ہو، امن کا مرکز ہو اور عبادت کا صدر مقام ہو۔ چنانچہ اس غرض کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے باپ بیٹے دونوں سے یہ عہد لیا۔ وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِيْنَ وَالْعَاكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ اے ابراہیمؑ اور اے اسمٰعیلؑ! اس مرکز امن عبادت اور اجتماع و تنظیم کے اس میرے گھر کو طواف کرنے والوں، عبادت کے لئے یہاں ٹھہرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا تاکہ عام لوگ یہاں آئیں، خدا کی عبادت کریں، اپنے دلوں کو پاک و صاف کر کے واپس جائیں اور پھر وہ خود اسلام کی اطاعت کریں اور نوعِ انسان سے بھی اطاعت کرائیں۔

گذشتہ بحث سے تین نتائج واضح ہیں :۔

نتیجہ اوّل۔ ابراہیمی قانون میں پہلے قربانی ہے اور پھر امامت۔ ع

شمشیر و سنان اوّل، طاؤس و رباب آخر

نتیجہ دوم۔ یہودیوں، عیسائیوں اور مسلمانوں میں جو زیادہ ظالم ہوگا، خلافت سے محروم کر دیا جائے گا۔

نتیجہ سوم۔ اتباعِ ابراہیمؑ میں پھر تنظیم، امن اور عبادت کا مرکز پیدا کرو۔ ع

بگذر از بے مرکزی پایندہ شو

نتیجہ سوم کی تشریح میں ہم کہنا چاہتے ہیں کہ امت کی زندگی اس کا مرکز ہے اگر مرکز قائم نہ ہوگا، دائرہ اُمت کبھی وجود پذیر نہ ہوگا جو لوگ قیام و بقائے اُمت اور اس کے وجود کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، انہیں اپنی ساری توجہ سے "خانہ کعبہ" کی حقیقت کا مطالعہ کرنا چاہیئے اور اُسے پھر زندگی دینی چاہیئے۔ اگر پاکستان کے مطالعہ کو بھی انہیں لائنوں پر آگے بڑھایا جائے تو وہ صحیح اسلامی انقلاب کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

۵۔ فلاحِ ملّت کا قانون

ہم نے پہلے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو سمجھنے کے لئے تین چیزوں کا مطالعہ ضروری ہے۔ ایک آپ کی ذہنیت کا، دوم آپ کے اخلاق کا، اور سوم آپ کے ایثار کا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ابراہیمی ذہنیت کے خط و خال کیا ہیں؟ ضروری ہے کہ آپ ان دعاؤں کا مطالعہ کریں جو اس سلسلے میں آپ کی زبان مبارک پر آئیں۔ جب آپ خانہ کعبہ کو تنظیم، امن اور عبادت

Marfat.com

کا مرکز بنائے رکھنے کا وعدہ کر چکے تو پھر آپ نے اپنے اللہ سے دعا کی :۔

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا — اے اللہ! اس شہر کو امن کا مرکز بنا دے۔

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ — اے اللہ! یہاں کے رہنے والوں کو پھلوں کی روزی دینا۔

مگر ان دعاؤں کے ساتھ ایک شرط بھی لگا دی، مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ یعنی خدا کی برکات اور پھلوں کا رزق، آباد کاران مکہ میں سے صرف انہیں کو حاصل ہو جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائیں۔ یہاں سوال پیدا ہوگا کہ آپ نے یہ دعا کیوں کی؟ جواب یہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ فرما چکا تھا :۔

لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ — میرا وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچے گا۔

خدا کی طرف سے اس دعا کا جواب آیا، وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ۔ اے ابراہیمؑ! جو لوگ تیرے اصولوں سے منحرف ہو جائیں گے، انہیں امن اور سامانِ رزق سے فائدہ اٹھانے کا تھوڑا موقع دیا جائے گا اور اس کے بعد انہیں عذابِ دوزخ میں دھکیل دیا جائے گا، اور ان کا برا انجام ہوگا۔

عبرت! برادرانِ اسلام! غور کیجئے مسلمانوں کو جو ابراہیمی اصولوں کے خلاف جا رہے ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنی ڈھیل دی جا چکی ہے؟ بھائیو! اپنے اصل راستے کی طرف آؤ، ورنہ انجام ظاہر ہے۔

تعمیر خانہ کعبہ کے مقاصد۔ یہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانِ مبارک

سے سننے چاہئیں۔ جب آپ خانہ کعبہ کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے تو ساتھ ہی ساتھ خدا تعالیٰ سے التجائیں کر رہے تھے :۔

۱۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ اے اللہ! ہماری خدمت قبول کر تو سمیع علیم ہے۔

۲۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ اے اللہ! ہمیں اپنا اطاعت گذار (مسلمان) بنا دے۔

۳۔ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ اے اللہ! ہماری اولاد میں سے اپنی مطیع قوم (امت مسلمہ) بنا۔

۴۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا۔ اے اللہ! ہمیں حج کے طریقے سکھا دے اور ہم سے درگذر کر۔

یہ پانچ مقصد ہوئے، حصولِ قبولیت الٰہی، خود مسلمان بن جائیں، امت مسلمہ پیدا ہو، طریقِ عبادتِ الٰہی سکھلائے جائیں، بشری کمزوریوں اور غلطیوں سے پاک ہو جائیں۔

۶۔ حج کانفرنس

فکرِ ابراہیمؑ نے اب تک جو قدم اُٹھائے، انہیں شمار کیجیے۔ اسلام کے لئے ایک بنیاد قرار پا گئی (سمع و طاعت) دینِ حق کے پیروؤں کو ایک لقب مل گیا (مسلمان) جوشِ اطاعت نے علمبردارانِ حق کی دوئی مٹا کر انہیں ایک قوم بنا دیا (اُمتِ مسلمہ) حضرت ابراہیمؑ امتحانِ الٰہی میں پاس ہوئے اور اُمتِ مسلمہ کے امام قرار پائے (درجۂ امامت) یہ مرحلہ ہو گیا کہ یہود نصاریٰ

اور مسلمانوں میں سے جو لوگ ظالم ہوں گے وہ درجۂ امامت سے محروم رہیں گے زمانۂ بعد خلافت و جانشینی حضرت ابراہیمؑ نے اپنی ملّت کو حق و عدل پر قائم رکھنے کے لئے حجاز و شام میں مرکز تبلیغ و تنظیم قائم کر دیئے (تحفظِ مستقبل)۔ اب فکرِ ابراہیمؑ یہی کر سکتا تھا اور یہی اُس نے کیا کہ لوگوں کو حج کی دعوت دے تا کہ مشرق و مغرب کی پیاسی رُوحیں جمع ہوں اور اُمت مسلمہ کا دائرہ تمام کائناتِ عالم میں پھیلتا چلا جائے حضرت ابراہیمؑ نے دُعا کی اور خدا نے جواب دیا :-

دعائے ابراہیم۔ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا (حج)	اجابتِ الٰہی۔ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ (حج)
اے اللہ! ہمیں حج کے طریقے سکھا دے	لوگوں میں حج کا اعلان کر دے۔

اس حکم کے مطابق حضرت ابراہیمؑ نے لوگوں کو حج کی دعوت دی، اس پر مشرق اور مغرب کی پیاسی رُوحیں دوڑیں اور خدا کی توحید اور وحدتِ نسل انسانی کا سبق سیکھنے کے لئے وہاں ہر سال اجتماعِ عظیم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

فوائدِ حج ۔ دُنیا کے ہر گوشے سے لوگ ایک مرکز میں جمع ہوں، ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوں، ایک جگہ مل کر عبادت کریں، ایک جگہ مل کر قربانیاں دیں، ایک سبق سیکھیں، نسل، رنگ اور وطن و زبان کی تفرقیں مٹائیں اور اپنے اندر احساس وحدت پیدا کریں۔ حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے خلفا کی یادگاریں دیکھیں اور اُن کے تعلقات محبت و عقیدت کو تازگی دیں، ابراہیمی مشن کی حقیقت سمجھیں اور اس حقیقت کے مبلغ بن کر دُنیا کے گوشے گوشے میں پھیلیں۔ ملّتِ ابراہیمی کی شان و شوکت کا اظہار ہو مشورہ

باہمی سے بین الاقوامی مشکلات کی عقدہ کشائی ہو۔ قومی اختلافات کے فیصلے ہوں، ملت مسلمہ کے مختلف گروہ ایک جز و واحد بن جائیں۔

۷۰۔ آرزوئے معمارِ اُمتِ محمد صلعم | جب مرکز توحید بن گیا، جب حج کی دعوت چار دانگ عالم میں پھیل گئی، جب اللہ کے بندوں کے بڑے بڑے اجتماع شروع ہو گئے تو ابراہیمی فکر نے وہ آخری قدم بھی اُٹھا دیا جس کے لئے اب تک یہ سارا سر و سامان جمع کیا گیا تھا۔ اب ابراہیمی فکر نے یہ تقاضا کیا کہ تخلیق اُمت کے لئے ایک پیغمبر مبعوث ہو، اس عام احساس کے علاوہ اس پیغمبر کے فرائض و وظائف اور اخلاق و اوصاف کا پُورا پُورا نقشہ بھی آپ کے تخیّل میں اس طرح محفوظ تھا جس طرح ایک ننھے سے بیج کے اندر درخت کا پُورا وجود محفوظ ہوتا ہے۔ آپ ایک طرف اُمت کا گھر بنا رہے تھے اور دوسری طرف معمارِ اُمت کے انتظار میں بارگاہِ الٰہی میں یہ دُعا کر رہے تھے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	اے خدا! ان لوگوں میں ایک رسول بھیج
يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ	جو انہیں تیری آیات سنائے، کتاب و
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ اِنَّكَ	حکمت کا درس دے، ان کی روحوں کو پاک
اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ	کرے تو زبردست حکمت والا ہے۔

فکرِ ابراہیمؑ نے صرف یہی نہیں کیا کہ اللہ تعالیٰ سے محمدؐ رسول اللہ مانگیں بلکہ یہ بھی مانگ لیا کہ محمدؐ رسول اللہ کیسے ہونے چاہئیں اور کہاں ہوں؟ کن میں ہوں اور کیسے ہوں؟

محمد بہ نظرِ خلیل ؑ۔ حضرت ابراہیم ؑ نے حکم الٰہی سے جو ملت کھڑی کی، اس کی تکمیل کے لئے کیسا رہنما ہونا چاہیئے؛ فکرِ ابراہیم ؑ نے یہ فیصلہ دیا کہ اُمتِ مسلمہ اُسی وقت درجۂ تکمیل حاصل کر سکتی ہے جبکہ چار باتیں پوری ہوں۔

پہلی بات۔ وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ۔ ملتِ ابراہیمی کا ایک فرد، ملت کا رسول ہو۔ آپ حضرت ابراہیم ؑ کی اس عرضداشت کو معمولی نہ سمجھیں، اگر مقصود قوم کی تکمیل ہے تو پھر قوم کا رہنما اُسی قوم کا ایک فرد ہونا چاہیئے، اس لئے کہ دوسری قوم کا فرد بھی قوم کی اصلاح تو کر سکتا ہے مگر چونکہ وہ بہرحال "دوسرا" ہے، اس واسطے تکمیل میں یہی "دوسرا ہونے" کی وجہ سے کچھ نہ کچھ کمی ضرور رہ جائے گی۔

دوسری بات۔ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ۔ وہ قوم والوں کو تیری آیتیں سنائے یعنی سب میں تبلیغ کرے۔

تیسری بات۔ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ پھر جو مسلمان ہو جائیں اُنہیں کتاب (قرآن) اور حکمت (عملی نمونہ) سکھائے اور تربیت کرے۔

چوتھی بات۔ وَيُزَكِّيهِمْ۔ وہ انہیں پاک کر دے یعنی درجۂ تکمیل تک پہنچا دے۔

فکرِ خلیل ؑ کا یہ پہلو اُمتِ مسلمہ کے لئے پیغامِ حیات ہے۔ اور مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ حضرتِ خلیل ؑ کی اس مقدس آرزو اور دُعا کو بھی اپنے سینوں میں پالتے رہیں۔ حضرت ابراہیم ؑ کی اس دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ اُمتِ مسلمہ کی پیدائش کے لئے خاص خاص اوصاف کے

Marfat.com

رہنما کا ہونا اور ایسے رہنما کے لئے آرزومند رہنا، دونوں امور ضروری ہیں، اب جب کہ تخلیقِ اُمت کا کام پورا ہو چکا ہے، اصلاحِ اُمت اور تجدیدِ دین کے لئے یہی دو نو ضروریتیں باقی ہیں اور یہ مسلمانوں کا فرض تھا کہ وہ ہمیشہ دست بدعا رہیں کہ یا الٰہی! اس اُمت میں سچا رہنما پیدا کر، خاص خاص اوصاف کا رہنما، وہ رہنما جو رُوحِ اسلام، بنائے اسلام اور فکر و دعائے خلیل کو سمجھے اور مسلمانوں کو آیاتِ الٰہی سنائے، انہیں قرآنی مقاصد کی تعلیم دے اور اُن کے دلوں کو نفاق اور خودغرضی سے پاک کر کے انہیں ایک مرکزِ تنظیم پر جمع کر دے اور ملّتِ اسلامیہ کی تقدیر کو روشن فرمائے۔

افسوس کہ آج ہم مسلمان اس آرزوئے عظیم کو فراموش کر چکے ہیں، جو حضرت خلیلؑ کی سب سے بڑی میراث تھی اور اب عرصہ گزر چکا ہے کہ عالمِ اسلام میں کوئی ابراہیمی رہنما پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ نہ اُمت میں ایسے رہنما کی پیاس ہے اور نہ مدعیانِ رہنمائی کو اُن اوصاف کی تلاش ہے جن کے لئے حضرت خلیلؑ کے ہاتھ ہمیشہ آسمان کی طرف اُٹھے رہتے تھے، کیا ہم توقع کریں کہ راہ گم کردہ مسلمان اس فراموش شدہ عہد، اِس پامال شدہ آرزو اور اس بھولی ہوئی بے قراری کو از سرِ نو اپنے پہلو میں جگہ دیں؟ اور خدا تعالیٰ سے رو رو کر بار بار یہ دعا کریں گے کہ اے خدا! اس اُمت میں کوئی ابراہیمی رہنما بھیج جو اس قوم کی تقدیر کو روشن کر دے۔

ہزار بحث اور نتیجہ ایک۔ خلیلِ ابراہیمؑ نے جتنے قدم اُٹھائے، آلِ ابراہیمؑ کے پیشرؤں نے جتنے قدم اُٹھائے، نبی آخرالزمان نے جو کچھ فرمایا اور جو کچھ کر کے دکھایا،

سب کا اول و آخر صرف ایک لفظ ہے اور وہ یہ کہ بندگانِ خدا مسلمان بن جائیں۔
خدا نے حکمِ اطاعت دیا تو کہا میں پروردگارِ عالم کا مسلمان بندہ بن گیا، اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔
دوسرے لوگ ایمان لائے تو یہی کہا، تمہارا نام مسلمان ہوگا، وَهُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ۔
جب مشاہدۂ فطرت سے خدا کو پہچانا تو پھر یہی کہا، میں مسلمان ہوں، وَ اَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔
جب خانہ کعبہ بنایا تو یہی دعا کی، اے خدا ہمیں اپنا مسلمان بنا دے، رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ
آلِ ابراہیم کیلئے بھی یہی دعا کی، اے خدا ہمیں اپنی اُمّتِ مسلمہ بنا دے، وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ
جب موت آئی تو پھر یہی وصیّت کی تم مسلمان ہو کر جان دینا، فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
جب حضرت یعقوب پر موت آئی تو آلِ یعقوب نے بھی یہی کہا، ہم خدا کے مسلمان ہیں، وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ۔
جب محمد مصطفیٰ آئے تو اُن سے بھی یہی کہلوایا گیا، ہم خدا کے مسلمان ہیں، وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

——حضرت ابراہیمؑ کا، حضرت اسمٰعیلؑ کا، حضرت موسیٰؑ اور مسیحؑ کا حضرت محمد مصطفیٰ کا——
——اور حضرت آدمؑ سے خاتم النّبیین تک ۱ لاکھ ۲۴ ہزار نبیوں کا پیغام صرف——
——صرف یہی ہے کہ——

——مسلمان بنو——اطاعت گذار بنو——قانونِ خدا پر چلو——

Marfat.com

یادگارِ ابراہیمؑ

اسلام اور مسئلۂ قربانی

قربانی کے معنی ہیں ایک چیز جو ضروری کر کھوئے اور انسان کو کسی دوسری چیز کے قریب لے جائے، "قربانی" کو اس لئے قربانی کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو مقصد کے قریب لے جاتی ہے قربانی کی جس قدر بھی صورتیں دنیا میں رائج ہیں، اُن سب میں تقرب حاصل کرنے کا مفہوم برابر موجود رہا ہے۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ اُن شخصوں اور قوموں کے لئے جن کے سامنے کوئی معین مقصد موجود ہو، قربانی ایک بالکل ضروری چیز ہے۔ قربانی خدا کا قانون ہے، قربانی پیغمبروں کی سنّت ہے، قربانی زندگی اور کامیابی کا سرچشمہ ہے اور اس دنیا میں صرف وہی قومیں اور وہی شخص کامیاب ہو سکتے ہیں جو اپنے مقصد کے لئے جان، مال، اولاد، وقت اور آسائش کو بے دریغ اور مردانہ وار قربان کر سکیں۔ تاریخ اسلام اور تاریخ جدید کا سب سے بڑا فتویٰ اور فیصلہ یہی ہے۔

۱۔ قبلِ اسلام کی قربانیاں

زمانہ جاہلیت کی قربانی، انسان کی توہم پرستی کا نتیجہ تھی، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

Marfat.com

کہ لوگ دیبی دیوتاؤں سے مرادیں لینے یا اُن کی ناراضگی اور عذاب سے بچنے کے لئے جانوروں کی قربانیاں کرتے تھے اور اس چیز کو دیوتاؤں کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ یہ قربانی ایک مادی رسم تھی، اور محض انسان کی فطری کمزوری کا نتیجہ تھی، اس قربانی سے انسان کو ترک خودی، ترک استقلال، شرک و بزدلی اور زوالِ سیرت و اخلاق کے سوا کچھ حاصل نہ تھا، طمع و خوف کے زیر اثر وہ جس قدر زیادہ انسانوں یا جانوروں کا خون بہاتے تھے اسی قدر زیادہ رُوحانی قوت اور اخلاقی زندگی سے محروم ہوتے جاتے تھے۔

قربانی کے معاملے میں مذاہبِ عالم کو دو حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:۔

۱۔ جین دھرم اور بُدھ مت۔ ان مذاہب نے جانوروں کی قُربانی کو سخت ترین گناہ قرار دے کر اپنی ساری قوت، انسانی خواہشات و جذبات کی قربانی اور ہلاکت پر صرف کی ہے اور قرار دیا ہے کہ جب تک کوئی انسان کرم کے بندھن سے تعلقاتِ دنیوی کی قید سے اور دُکھ و سُکھ کے احساس سے بری ہو کر اپنے آپ کو فنا نہ کر دے، مکتی (نجات) حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۔ ہندو دھرم، یہودیت اور عیسائیت۔ یہ تینوں مذاہب جین اور بُدھ کے مدِمقابل ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں قربانی کی رسم اس خیال پر قائم تھی کہ وہ جانوروں کا خون اور گوشت پیش کر کے دیوتاؤں کو خوش رکھ سکتے ہیں، اور ان کی ہولناکی سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہودی اپنے گناہوں کے کفارے کے لئے قربانی کرتے تھے، عیسائیوں نے کہا کہ اگر متفرق اور انفرادی طور پر قربانیاں کرنے کے بجائے ایک بڑی قربانی (حضرت مسیح کے سُولی

دیئے جانے) پر ایمان لے آئیں تو یہ ایمان، نجات کے لئے کافی ہے۔

"فنائے ذات" اور "فنائے غیر" کے نظریوں کی ناکامی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر پہلے دو مذاہب (جین مت اور بدھ مت) انسان کی خودی کو فنا کرکے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آخری تینوں مذاہب، دوسروں کو فنا کرکے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ یہ دونوں صورتیں غلط ہیں۔ اگر انسان، جین اور بدھ کی تعلیم کے مطابق اپنے جذبات و خواہشات کی ہلاکت پر کمر بستہ ہو جائے تو انسانی قویٰ کی آزادانہ نشوونما اور ترقی بالکل رُک جائے گی، اس دنیا میں موت، مایوسی اور فقیری کے سوا کچھ باقی نہ رہ جائے گا۔ اور اگر ہندو دھرم، یہودیت اور عیسائیت کی تعلیم کے مطابق یہ سمجھ لیں کہ انسان جانوروں یا مسیح کی قربانی سے نجات پا سکتا ہے تو لازماً اپنے اعمال پر سے ہمارا اعتماد اُٹھ جائے گا۔ ہم نیک اعمال کے ضرورت مند نہ رہیں گے، صرف دوسروں کے سہارے پر جینا شروع کر دیں گے۔

اس سلسلے میں ایک اور قابلِ لحاظ چیز یہ ہے کہ ان قربانیوں کا بہ حیثیت ایک رسم یا عقیدہ کے، انسانی تاریخ اور دنیوی زندگی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ جین اور بدھ بایثار نفس کی تعلیم ضرور دیتے ہیں مگر یہ ایثار دنیا کے لئے نہیں بلکہ ترکِ دُنیا، ترکِ خودی اور ترکِ عمل کے لئے ہے۔ اور یہی حال ہندو دھرم، عیسائیت اور یہودیت کی قربانیوں کا ہے، وہ محض دوسروں (دیوتاؤں وغیرہ) کو خوش کرنے کے لئے دوسروں (جانوروں وغیرہ) کی قربانی کرتے ہیں اور خود بالکل الگ تھلگ رہتے ہیں، چونکہ ان قربانیوں کا مقصد انسان کی دُنیوی

زندگی کی بہبودی نہ تھا۔ اس لئے یہ لوگ اکثر دفعہ حیوانات کی قربانی کو ترک کر دیتے تھے اور اپنے مزعومہ مقاصد کے لئے خود انسانوں کو ذبح کرنا، جلانا، پہاڑوں سے گرانا اور دریاؤں میں بہانا شروع کر دیتے تھے۔ مختصر یہ کہ جین اور بدھ کی قربانیوں سے جو ایثار نفس سے شروع ہوئی تھیں، انسان نے خود کو قتل کرنا ترکِ دنیا اور خودکشی سیکھا اور ہندو دھرم عیسائیت اور یہودیت کی قربانیاں جو حیوانات کو قربان کرنے سے شروع ہوئی تھیں، کسی نہ کسی شکل میں دوسرے انسانوں کے قتل اور رہبانیت پر آکر ختم ہو گئیں۔ یہ ہے فنائے ذات اور فنائے غیر کے نظریوں کا انجام۔

۲۔ اسلامی قربانی کی بنا

لیکن ان میں کوئی چیز بھی اسلامی قربانی پر عائد نہیں ہوتی۔ اسلامی قربانی، ایک قابلِ فخر اور قابلِ تقلید تاریخی واقعہ کی یادگار ہے، جسے قرآنِ کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:-

رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِينَ فَبَشَّرْنٰهُ
بِغُلٰمٍ حَلِيمٍ۔ فَلَمَّا بَلَغَ
مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ إِنِّي أَرٰى
فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانْظُرْ
مَاذَا تَرٰى۔ قَالَ يٰأَبَتِ افْعَلْ مَا

حضرت ابراہیمؑ نے دعا کی اے خدا! مجھے
نیک بیٹا دے پس ہم نے اسے ایک نیک
اور بردبار بیٹے کی خوشخبری دی، جب وہ لڑکا
دوڑ دھوپ کے قابل ہوا تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹا!
میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ گویا تجھے ذبح

Marfat.com

تُؤمَرُ سَتَجِدُنِیۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا۔

کہ رہا ہوں، اس بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیلؑ نے جواب دیا۔ اے باپ! تجھ کو خدا کا جو حکم ہوا ہے پورا کر، تو خدا کے فضل سے مجھے صابر پائے گا جب باپ اور بیٹا دونوں تعمیل حکم پر تُل گئے، باپ ذبح کرنے پر تُل گیا اور بیٹا ذبح ہونے پر تُل گیا تو باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل پچھاڑا۔ اس وقت ہم نے ابراہیمؑ کو آواز دی کہ اے ابراہیمؑ! تو نے خواب کو سچ کر دکھایا۔

مسلمان جو ہر سال عیدالضحیٰ پر قربانیاں کرتے ہیں وہ اسی تاریخی واقعہ کی یادگار ہے۔

۳۔ اسلامی قربانی کی جزا

واقعہ کے بیان کے بعد قرآن پاک میں ارشاد ہے:۔

۱۔ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔	ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ۔	بے شک یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا۔
وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ۔	ہم نے اس کو فدیہ میں عظیم قربانی دی۔
۲۔ وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔	اسکی یادگار آیندہ نسلوں میں قائم کر دی۔
۳۔ سَلٰمٌ عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ۔	ابراہیمؑ پر درود و سلام۔
۴۔ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ۔	ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں۔

Marfat.com

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ۔ بے شک ابراہیمؑ ہمارے ایماندار بندوں سے تھا۔

اب ہم اِن آیات کی مختصر تشریح کرنا چاہتے ہیں۔

پہلی آیت "ہم محسنین کو اسی طرح جزا دیتے ہیں، بیشک یہ ایک کھلا ہوا امتحان تھا" ــــــ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ قربانی ایک امتحان ہوتا ہے اور قربانی سے انسان کچھ کھوتا نہیں بلکہ پاتا ہے۔ مثال اس کی حضرت ابراہیمؑ کا واقعہ ہے۔ آپ اسمٰعیلؑ کو راہِ حق میں قربان کر دینے پر آمادہ تھے، مگر واقعہ یہ ہوا کہ اسمٰعیلؑ بھی سلامت رہے اور قربانی بھی مقبول ہو گئی اور خدا نے اس کا فدیہ قبول کر لیا۔

اِس آیت میں یہ کیوں بیان کیا گیا ہے کہ انسان قربانی سے کچھ کھوتا نہیں بلکہ کچھ پاتا ہے؟ یہ حقیقت اس لئے بیان کی گئی تاکہ انسان پر قربانی کرنا آسان ہو جائے، کیونکہ یہ ایک واقعہ ہے کہ ایثار و قربانی کے راستے میں سب سے بڑی ٹھوکر یہ ہے کہ انسان غلطی اور تنگ دلی سے یہ سمجھتا ہے کہ جان، مال، اولاد اور وقت جو اللہ کی راہ میں قربان کیا جاتا ہے، وہ کمی اور نقصان کے مترادف ہے۔ یہاں یہ واضح کیا گیا کہ قربانی تو محض ایک امتحان ہوتی ہے۔ اصل مقصود یہ ہے کہ محسنین کو جزا دی جائے۔ پس اسوۂ ابراہیمؑ کا پہلا سبق یہی ہے یعنی یہ کہ اگر قوم اور افرادِ قوم اللہ کے حکم کی اطاعت میں جان، مال اور اولاد کو قربان کر دینے پر آمادہ ہو جائیں تو اُن سے یہ چیزیں چھینی نہیں جاتیں بلکہ ان کی حفاظت اور ترقی کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔

فائدہ مسلمانوں کی موجودہ بے بسی کا واحد سبب یہ ہے کہ وہ جان ومال کی قربانی کو گھاٹا اور نقصان خیال کرتے ہیں، لیکن خدا کی تعلیم اس کے خلاف ہے۔ خدا کی تعلیم یہ ہے کہ مسلمان خدا کی اطاعت میں جس قدر زیادہ جان، مال، اولاد اور وقت کی قربانی کریں گے، اسی قدر زیادہ اُن کی حفاظت اور ترقی کے سامان وسیع ہوتے جائیں گے۔ فھل من من کس؟ کوئی غور کرنے والا ہے؟

دوسری آیت "ہم نے اسمٰعیلؑ کے بدلے، ابراہیمؑ کو عظیم الشان قربانی دی اور اسکی یادگار آنے والی نسلوں میں قائم کر دی"۔ —— اس آیت سے یہ حقیقت تو بالکل واضح ہو گئی ہے کہ اسلامی قربانی کی بنیاد ایک تاریخی واقعہ پر رکھی گئی ہے، آپ پوچھیں گے کہ اس واقعہ میں وہ خاص بات کیا ہے جس کی بنا پر خدا تعالیٰ نے اسے آیندہ نسلوں کے لئے "اسوۂ قربانی" قرار دیا؟

خاص بات یہ ہے، حضرت ابراہیمؑ کا حکمِ خدا کی اطاعت کرنا، ایسی اطاعت جو اپنی ذات میں بالکل بے مثال ہے۔ اسی بے مثال اطاعتِ حکم کی بنا پر یہ واقعہ یادگار قرار دیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ کی اسی رُوحِ اطاعت کو جو اس واقعہ سے ظاہر ہوتی ہے، نوعِ انسان کے لئے ہدایت کا ایک مستقل نشان مقرر کیا گیا ہے اور تمام اُمتِ مسلمہ کو ہر سال یہ سبق دیا گیا ہے کہ ابراہیمی برکات کے حصول کا واحد رستہ یہی ہے کہ آنے والی نسلیں اُنہیں کی طرح خدا کی اطاعت کریں۔

آپ واقعہ ابراہیمؑ کے تمام اجزا کو مرتب فرمائیں:۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ بیداری میں نہیں بلکہ خواب میں قربانی کا حکم پاتے ہیں۔

۲۔ مطالبہ کسی معمولی چیز کا نہیں، بیٹے کی قربانی کا مطالبہ ہے۔

۳۔ بیٹا بھی معمولی نہیں، اسمٰعیلؑ ہے حسین، جمیل، صالح، نبی اور موعود۔

۴۔ بیٹے پر جوانی کی عمر ہے اور بیٹا پہلوٹا ہے۔

۵۔ باپ پر بڑھاپا طاری ہے اور اب نعم البدل کی بھی توقع نہیں۔

۶۔ یہ وہ بیٹا ہے جو دعائیں مانگ کر لیا ہے۔

ان حالات کے باوجود حضرت ابراہیمؑ یہ تصوّر بھی نہیں کرتے کہ ذبح اسمٰعیلؑ کا خواب، محض خواب خیال بھی ہو سکتا ہے۔ اسی پر بس نہیں۔ آپ بڑی ہی بے تکلفی سے یہ دردناک خواب بیٹے کو بھی سنا دیتے ہیں۔ تصوّر کرو کہ وہ وقت کس قدر دردانگیز اور پُرتاسف ہوگا جبکہ ایک بوڑھا باپ، اپنے نوجوان، صالح اور معصوم و مقبول اور پہلوٹنے فرزند سے اس کے قتل کا ذکر کر رہا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ بیٹے سے اُس کو ذبح کرنے کا ذکر فرماتے ہیں اور اس طرح کہ ان پر غم والم یا درد و رقت کا ذرہ برابر اثر بھی نمایاں نہیں ہوتا۔ پس اس واقعہ سے اُن کے دل کی استقامت کا اندازہ کرو۔ اطاعت گذار بیٹا، باپ کا خواب سنتا ہے اور قربان ہونے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ فرزند معصوم کو ماتھے کے بل پچھاڑتے ہیں اور ذبح کر دینے پر تُل جاتے ہیں۔

ہاں! حکم خدا کی اطاعت میں یہی مثال بے تکلفی اور مستعدی، یہی عدیم النظیر تسلیم و رضا اور شکر و ثبات، اس واقعہ کی رُوح ہے اور اطاعت فرمان کا یہی جذبہ بے

اختیار حضرت خلیل اللہ کا وہ مقدس اور غیر فانی کارنامہ ہے جو خدا کی نظر میں اس قدر محبوب و مقبول ہوا کہ اس نے اسے آیندہ نسلوں کے لئے ہدایت کا ایک دائمی نشان قرار دے دیا۔

اسی جذبے کا نام ہے ' اسلام ' اسی جذبے کی تازگی اور تجدید کا نام ہے قربانی۔ یہی جذبہ انسانی اور اسلامی زندگی کا ماحصل اور مفاد ہے۔ نہیں بلکہ اس ساری کائنات اور اس کے اثاثۂ حیات کی پوری حقیقت بھی صرف اسی قدر ہے ، یعنی اطاعت کا ایک دم۔ یہاں اس دنیا میں اس سے زیادہ کوئی دولت موجود نہیں ہے۔

تیسری آیت۔ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ، حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی ہو۔

پہلی آیت میں بیان ہوا کہ قربانی ، محض ایک امتحان ہوتا ہے ، اور اس سے کچھ ضائع نہیں ہوتا ، بلکہ اور زیادہ ملتا ہے۔ دوسری آیت میں بیان ہوا کہ اصلی قربانی صرف وہ قربانی ہے جو حکم خدا کی اطاعت میں ہو۔ اب اس تیسری آیت میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی اور امتحان میں کامیابی کا اعتراف فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ اس سے حضرت ابراہیمؑ پر سلامتی کا دروازہ کھل گیا۔ اس سے نتیجہ نکلے گا کہ امن اور سلامتی بھی قربانی کی لازمی جزا ہے اور صرف وہی قومیں اور افراد امن اور سلامتی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں جو پہلے قربانی دیں۔

فائدہ۔ آج مسلمانانِ ہندوستان جو اپنی ہستی اور حقوق کی حفاظت چاہتے ہیں ، اوپر کے قانون سے سبق سیکھیں۔ وہ قانون یہ ہے کہ جب تک جان ، مال ، وقت اور اولاد کی قربانی کا ذریعہ نہ ہو قدم پر حفاظت اور سلامتی کی راہ نہیں کھل سکتی۔ خدا تعالیٰ نے

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق اسی وقت "سَلَامٌ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ" کا اعلان کیا ہے، جب کہ آپ اسمٰعیلؑ جیسے فرزند کو خدا کی راہ میں قربان کرنے پر آمادہ ہوگئے۔

چوتھی آیت "کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ"، "اللہ تعالیٰ اسی طرح نیکوکاروں کو جزا دیتا ہے" اعلان سلامتی کے بعد حکم ہوتا ہے کہ ہم ارباب احسان کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں، یعنی اللہ کا یہ قانون ہے کہ جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ قدم کی پیروی کریں گے، انہیں اسی طرح جزا دی جائے گی۔

پیغمبرؐ خدا نے "احسان" کی یہ تعریف کی ہے کہ تم اس طرح خدا کی عبادت کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، یا کم سے کم وہ تمہیں دیکھ رہا ہے۔ چونکہ قربانی کا مرکزی اور اساسی نکتہ "احسان" (یعنی خدا کو اپنے سامنے موجود محسوس کرنا) ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی شخص پروردگارِ عالم کو، اس کے قانون کو، اس کے دوزخ اور بہشت کو اور اس زندگی کے انجام کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ رہا ہو، وہ خدا کے لئے کوئی چیز قربان نہیں کرسکتا۔ اس آیت میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جو نہایت بے تکلفی سے اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھوں ذبح کردینے پر آمادہ ہوگئے تو اسکی اصلی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنے سامنے خدا کو دیکھ رہے تھے۔

آج مسلمان قربانی کی قوت سے محروم ہیں۔ اس کا اصلی سبب یہی ہے کہ وہ اپنی زندگی میں، حقیقی طور پر خدا کی ہستی کو محسوس نہیں کرتے، ورنہ جو شخص یہ دیکھے کہ خدا خود سامنے ہے، وہ اس کے حکم اور مطالبہ قربانی سے انحراف کیسے کرسکتا ہے؟

چوتھی آیت۔ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ، بیشک وہ ہمارے ایماندار بندوں سے تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے ایثار و قربانی سے پہلے تو یہ نتیجہ نکالا کہ وہ ارباب احسان میں سے تھے۔ یعنی خدا کو اپنے سامنے دیکھ رہے تھے اور اب اس آیت میں اُن کی اسی قربانی کی بنا پر یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ "وہ ہمارے ایماندار بندوں میں سے تھے" پہلی آیت میں قربانی کی بنیاد پر حضرت ابراہیمؑ کے احسان کی شہادت دی تھی اور اب قربانی ہی کی بنا پر اس آیت میں اُن کے ایمان کی شہادت دی گئی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس دنیا میں کسی شخص کے احسان اور ایمان کا اس کے سوا کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وہ خدا کے لئے بے دریغ قربانی کرے۔ کیا موجودہ مسلمان اپنے ایمان کو اس معیار پر پرکھیں گے؟

۴۔ اِسلامی قربانی کے اِمتیازات

۱۔ قربانی کا تاریخ سے مربوط کرنا۔ اب ہم یہاں یہ بتائیں گے کہ اسلام نے مسئلہ قربانی میں کیا کیا اصلاحیں کیں؟ ہم شروع میں بتا چکے ہیں کہ زمانہ جاہلیت کی قربانیاں توہم پرستی اور فطرت انسانی کی کمزوری پر مبنی تھیں لوگ دیوتاؤں کے خوف سے یا حصولِ فوائد کی طمع پر قربانیاں کرتے تھے، اسلام کا سب سے پہلا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ایک عظیم الشان تاریخی واقعہ پر قربانی کی بنیاد رکھی اور اس رسم کو حضرت ابراہیمؑ کی یادگار کا، توقیر و احترام کا اور قوم میں ابراہیمی جذبات کی

Marfat.com

دائمی تبلیغ اور تقلید کا ذریعہ بنایا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دو عظیم الشان واقعات حضرت ابراہیمؑ کی زندگی سے متعلق ہیں، ایک ذبح اسمٰعیلؑ کا واقعہ اور دوسرا کعبہ کی تعمیر کا واقعہ۔ اسلامی قربانی، ان دونوں واقعات کی مجموعی یادگار ہے اور یہ ہر سال ہر مسلمان کو یہی تاریخی سبق یاد دلاتی ہے۔ مثال کے طور پر اس سال کی مسٹر جناح کی تقریر ملاحظہ فرمائیں، آپ فرماتے ہیں:۔

"آج عیدِ قربان ہے، آج مسلمان قربانیاں کرتے ہیں اور خوشیاں مناتے ہیں، مگر وہ قربانیاں کرتے ہوئے اس سبق کو بھی یاد رکھا کریں، جو صدیوں پہلے حضرت ابراہیمؑ کی قربانی نے ہمیں دیا تھا، وہ احباب کی پُرتکلف ضیافتوں اور خوشیوں کے درمیان قوم کے حقیقی حصہ یعنی غربا کو نہ بھول جایا کریں جنہیں عید کے دن بھی پیٹ بھر کر روٹی نہیں نصیب ہوتی۔ اس لئے کہ یہی غریب لوگ ہماری ملت کا حقیقی حصہ ہیں اور ان کو ابھارنا اور سنبھالنا اور اخلاق تعلیم اور مال و دولت کے اعتبار سے طاقتور بنانا ہمارا سب سے بڑا فرض ہے۔"

برادرانِ اسلام! مسلمانوں کا دل اور ایمان زنگ آلود ہو گیا ہے۔ اب حضرت ابراہیمؑ کے ایمان سے ہمارے زنگ آلود دلوں پر صیقل ہونی چاہیئے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا دل ہی تو تھا کہ وہ اللہ کے حکم پر اپنے لختِ جگر کی قربانی پر آمادہ ہو گئے اور پھر وہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایمان ہی تو تھا کہ وہ باپ کے ہاتھوں قربان ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ لہٰذا اگر عیدِ قربان ہمارے لئے کوئی سبق رکھتی ہے تو صرف یہ کہ ہم خدا کے حکم پر اور اپنی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اسلام اور ملت کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہ

Marfat.com

کریں اور حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی سُنتوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں بھی اللہ کے حکم پر اسلام و ملّت کی خاطر قربان کر دینے کے لئے تیار رہیں "

" برادرانِ عزیز! ہمارے بزرگوں کے ایمان اس قدر قوی تھے اور وہ اللہ کے حکم پر اور اسلام و ملّت کی خاطر ہر وقت قربانیاں دینے اور قربانیاں کرنے کے لئے تیار رہتے تھے۔ جب ہی تو مٹھی بھر عرب ساڑھے تیرہ سو سال پہلے خاک پاک عرب سے اٹھے اور تمام دنیا میں پھیل گئے اور چار دانگ عالم میں انہوں نے اللہ کے حکم اور حکومت کا ڈنکا بجا دیا۔ مگر اب کوئی دو سو سال سے مسلمانوں کے ایمان کمزور ہو گئے۔ ان کے دل زنگ آلود ہو گئے اور وہ گرتے گرتے قعرِ مذلّت میں جا پڑے۔ جہاں سے انہیں ابھرنا ہے اور ابھارنا ہے اور اس سلسلے میں ہمارے لئے عید قربان کا سبق بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمان انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ رہے ہیں، وہ بیدار ہو رہے ہیں۔ چین سے لیکر دہلی تک دنیائے اسلام کے اندر نئی زندگی لہریں لے رہی ہے۔ عالمِ اسلام کے دل کی دھڑکن تیز ہوتی جا رہی ہے، وہ حیاتِ نو کی منزل کی طرف قدم اٹھانا چاہتے ہیں اور اٹھا رہے ہیں۔ اس موقعہ پر قدرتاً یہ سوال پیدا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان جو دنیا کی سب سے بڑی مسلم آبادی ہے، اپنا حق کس طرح ادا کریں گے؟

لیکن کم از کم مجھے اِس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہندوستان کے مسلمان بس اسی حالت میں اپنا صحیح حق ادا کر سکتے ہیں کہ وہ ایک بلند کردار کے مالک بنیں، بلند کردار یا صرف کردار کی نسبت میرا خیال یہ ہے کہ کردار (کیریکٹر) کے معنی یہ ہیں کہ آدمی شرافت

اور انسانیت کے سانچے میں ڈھل جائے اور سچائی ایمانداری اور خلوص کو ہر چیز پر مقدم رکھے۔ جس شخص کے پاس کیرکٹر ہے، وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی روایات کا حامل ہو سکتا ہے اور جو شخص ان روایات کا حامل ہوگا وہ ایسی حرکت نہیں کرےگا کہ وہ اپنی قوم کو کسی قیمت پر کسی کے ہاتھ بیچنے پر آمادہ ہو جائے بلکہ وہ تو اسلام اور ملّت کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیگا۔"

۲۔ قربانی کا نظام قائم کرنا اسلام نے قربانی کو تاریخ ہی سے وابستہ نہیں کیا بلکہ اس کا ایک باضابطہ نظام بھی قائم کیا ہے۔ اسلام کا نظامِ قربانی یہ ہے کہ مقررہ دن کو دُنیا بھر کے منتخب مسلمان حج کے لئے مکّہ معظمہ میں جمع ہوتے ہیں۔ ۹ ذی الحجہ کو حج ہوتا ہے اور دوسرے دن تمام حاجی قربان گاہ خلیلؑ پر جاتے ہیں اور اپنے اپنے جانور ذبح کرتے ہیں اور اسی تاریخ کو تمام دنیا میں مسلمانوں کے ہر ایک شہر اور محلّہ اور قریہ، ہر ایک گھر میں سنّتِ خلیلؑ کے مطابق قربانی کی جاتی ہے۔ قربانی کا یہ نظام، اسلام کی دوسری بڑی فضیلت ہے۔ قربانی کے اس ظاہری نظام کا روحانی پیغام یہ ہے کہ مسلمانوں کو ایسا ہی نظام بنا کر راہِ خدا میں جانی اور مالی قربانیاں دینی چاہئیں۔ جس قوم کا جانوروں کی قربانی دینے کا نظام اس قدر بلند ہو، اس کا ذاتی قربانی کا نظام جس قدر بلند و برتر ہونا چاہیئے، اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ قربانی میں عید اسلام کا تیسرا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے رسمِ قربانی کے ساتھ عید کی خوشیاں شامل کر دیں اور اس قربانی کو عید اور نمازِ عید کے ساتھ جمع کر کے بتلا دیا کہ مسلمانوں کی حقیقی عید نماز اور قربانی میں مضمر ہے۔ ۱۰ ذی الحجہ کو تمام دُنیا

کے مسلمانوں کی بڑی عید ہوتی ہے اور اس دن سب کے سب مل کر انتہائی مسرت اور شان وشکوہ کے ساتھ کھلے میدانوں میں نمازِ عید ادا کرتے ہیں اور پھر اس کے بعد گھروں میں پہنچ کر قربانیاں کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کی زمین میں اور حج کی تقریب پر جب کہ تمام دُنیا کے منتخب مسلمان قربان گاہِ خلیلؑ پر کھڑے ہوں اور دنیائے اسلام عید کی خوشیاں منا رہی ہو، **نماز اور قربانی کے اجتماع** سے یہ رازِ عظیم خود بخود فاش ہوا جاتا ہے کہ اُمّتِ مُسلمہ کی قومی مسرت، قومی اتحاد و تنظیم اور قومی عظمت و شان کا راز **نماز اور قربانی** میں مضمر ہے، اس عملی سبق کو قرآنِ کریم نے آیاتِ ذیل میں بیان فرمایا ہے :-

(۱) اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ـــــ اے رسولؐ! ہم نے تجھ کو کثیر تعداد اُمّت عطا فرمائی۔ چونکہ کثرت کا وجود، وحدت کے منافی ہے، اس واسطے یہ ہو سکتا تھا کہ یہ کثرت، افرادِ اُمّت میں تفریق و انتشار کا موجب ہو، اس واسطے دوسری آیت میں اس خطرے کا مستقل علاج بتایا گیا :-

(۲) فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ ـــــ (۱) نماز پڑھو اور (۲) قربانی دو۔ نماز اور قربانی سے کثرتِ اُمّت کا انتشار مٹ جائے گا اور وحدت و تنظیم پیدا ہو جائے گی۔ نتیجہ تنظیم کی تشریح تیسری آیت میں اس طرح بتائی :-

(۳) اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ ـــــ تیرا دشمن تباہ ہو جائے گا (اُمّت کی ایسی تنظیم سے جو نماز اور قربانی پر مبنی ہو)

۴۔ قربانی میں روحانیت اور مادیت کا امتزاج۔ آپ نے قربانی کے متعلق جتنی

Marfat.com

اور بدھ کا عقیدہ دیکھا اُن کے ہاں جب تک انسان کے تمام مادی بندھنوں کو بالکل نیست و نابود کر کے خالص روحانیت پیدا نہ کی جائے، نجات نہیں ہوتی۔ اسی طرح آپ نے عیسائیت، یہودیت اور ہندو دھرم کی قربانی کا نظریہ دیکھا کہ وہ صرف دوسروں کا خون اور گوشت پیش کر کے خدا کو خوش کرنا چاہتے ہیں۔ اسلام نے صرف روحانیت یا صرف مادیت کا مسلک اختیار نہیں کیا، وہ ایک طرف نماز پڑھواتا ہے، جو تزکیۂ نفس کا بہترین ذریعہ ہے اور دوسری طرف تاریخی بنیاد پر جانوروں کے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، تاکہ لوگ حضرت ابراہیمؑ کی طرح قوم کے لئے فکر کرنا، عمل کرنا، خوش اخلاق بننا اور قربانی دینا سیکھیں پس اسلامی قربانی کی چوتھی فضیلت یہ ہوئی کہ اس میں نہایت ہی خوبی سے مادی اور روحانی کڑیوں کو ملا دیا گیا ہے۔

۵۔ قربانی سے اخلاقیات کی آبیاری

بلندی مقصد کے علاوہ اسلامی قربانی کے ظاہری احکام میں کئی خوبیاں موجود ہیں۔

ایک یہ کہ قربانی کی کھال خیرات کی جائے اور گوشت غریبوں، فقیروں، دوستوں اور ہمسائیوں میں تقسیم کیا جائے، اس میں خدمت بھی موجود ہے اور محبت بھی۔ دوسرے یہ کہ ہر مسلمان اپنی قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرے، اس کے یہ معنی ہیں کہ ملتِ ابراہیمؑ کا ہر فرزند سپاہی بنے اور سمجھے کہ اسلام میں جنین ہمت کی سی رقیق القلبی کے لئے کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔ آخری حکم یہ ہے کہ جب ایک مسلمان قربانی کے جانور کو زمین پر گرا لے تو حسب ذیل دُعا پڑھے :۔

Marfat.com

إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔

میں پوری یکسوئی سے اسکی پاک ذات کے لئے وقف ہوں جس نے ارض و سما کو پیدا کیا، میں مشرکین کی جماعت میں شامل نہیں ہوں، میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب اللہ کے لئے وقف ہے جو پروردگار عالم ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں ہے، میرا یہ فعل اسی کا حکم ہے اور میں اُمتِ مسلمہ کا ایک فرد ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ کی قربانیوں پر انہیں کیا کیا درجات حاصل ہوئے؟ یہ ایک دفعہ پھر قرآنِ پاک کی زبان سے سن لیں:۔

(۱) وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔

(اللہ تعالےٰ نے انہیں دنیا میں چن لیا اور آخرت میں بھی وہ نیک بندوں میں ہوں گے)

یہ آیت اُس وقت کا انعام ہے جبکہ حضرت ابراہیمؑ نے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔

عملِ اصطفیٰ۔ جس طرح باغ کا مالی اچھے پودوں، تندرست شاخوں اور مضبوط و تنومند کو چھانٹتا ہے اور باقی سب کو کاٹ ڈالتا ہے، اسی طرح باغبانِ ازل بھی عزت و عظمت کے چمن میں کمتر اور کمزور کو کاٹتا ہے اور بہتر و برتر کو رکھ لیتا ہے۔ فلسفہ کی بولی میں آپ اس کو

انتخاب طبعی کہتے ہیں اور اصطلاحِ شریعت میں اسی کا نام عملِ اصطفیٰ ہے۔ لَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ۔ خدا تعالیٰ نے عزت و عظمت کی دُنیا میں حضرت ابراہیمؑ کو چن لیا۔ یہ اُن کے عمل و قربانی کا ثمرہ تھا۔ اسی قانون کے ماتحت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی چُنے گئے اور دُنیا اور آخرت میں مصطفےٰ قرار پائے۔ اِسی قانون کے ماتحت اُمتِ مسلمہ بھی چنی گئی اور خیر اُمت قرار پائی۔ پھر اس کے بعد جب یہی ملت عمل و قربانی کے امتحان میں فیل ہو گئی تو اب ہماری جگہ غلاموں کی صف میں ہے۔ اے کاش ہم عبرت حاصل کریں۔

۲۔ وَنَجَّیْنٰہُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔ (ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دی اور ایسے مُلک میں پہنچایا جس میں ہم نے سارے جہان کے لئے برکت رکھی ہے۔)

حضرت ابراہیمؑ کو یہ انعام اُس وقت ملا ہے جبکہ آپ نے بُت شکنی کی اور باپ، خاندان، قوم اور بادشاہ سے بے پرواہ ہو کر توحید کا آوازہ بلند فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں نے بابل چھوڑا اور اللہ نے انہیں حجاز، یمن اور شام عطا فرمائے۔ انہوں نے ایک مندر کی قربانی کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں خانہ کعبہ عطا فرمایا۔ بابل میں وہ ایک غلام بُت گر کے بیٹے تھے، مگر جب وہاں سے نکلے تو حضرت اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، داؤدؑ، سلیمانؑ اور محمد مصطفےٰؐ کے بزرگ بنائے گئے اور نسلوں کے باپ قرار پائے۔

فائدہ۔ ابراہیمی ملت اگر نجات چاہے، اگر بابرکت سرزمین چاہے تو وہ اسوۂ ابراہیمؑ

Marfat.com

پر عمل کرے۔

۳۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ (ہم نے ابراہیمؑ کو دانائی عطا فرمائی)

یہ اعتراف اُس وقت کیا گیا ہے جبکہ مشاہدۂ فطرت کے بعد آپ نے باپ اور قوم کے سامنے حق کی تبلیغ کی اور ان کے مشرکانہ عقائد کو اس طرح رد فرمایا کہ کسی سے کچھ جواب نہ بن پڑا۔

فائدہ۔ ملتِ ابراہیمی اگر ابراہیمی رُشد و ہدایت کی وارث بننا چاہے تو چاہیئے کہ راہِ تبلیغ میں اُسوۂ ابراہیمؑ کی پیروی کرے۔

۴۔ اٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ (ہم نے اُس کو دُنیا میں بھلائی (عزت و آبرو، آسودگی، اولادِ صالح) عطا فرمائی اور آخرت میں بھی وہ بندگانِ نیک کی صف میں ہوگا۔)

فائدہ۔ اس آیت میں ابراہیمی قربانی کا آخری ثمرہ بیان کیا گیا ہے۔ یعنی حضرت ابراہیمؑ کو دنیائے حسنہ بھی عطا کی گئی اور آخرت صالح بھی۔ پس ہر وہ قوم جو حضرت ابراہیمؑ کے نقشِ قدم پر چل کر قربانی کا راستہ اختیار کرے گی، قانونِ الٰہی کے مطابق یہ ضروری ہے کہ وہ دنیائے حسنہ اور آخرتِ صالحہ کی مالک و وارث بنائی جائے۔

۶۔ قربانی کی قبولیت کا معیار تمام مذاہب میں قربانی کی رسم موجود ہے لیکن قربانی کے معنی اور شرائطِ قبولیت جو معقول ہوں، بالکل

Marfat.com

موجود نہیں ہیں۔ اسلام نے دنیا کے سامنے یہ حقیقت پیش کی ہے کہ اسلامی قربانی کے نظام کا مقصد، سیرتِ انسانی کی تکمیل ہے اور یہی معیار، قربانی کی قبولیت کا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلَا دِمَآؤُھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی۔

اللہ کو (قربانیوں کے) نہ گوشت پہنچتے ہیں اور نہ خون پہنچتا ہے بلکہ اس کو تمہارا تقویٰ (پرہیزگاری) پہنچتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے، جب تک تقویٰ نہ ہو قربانی قبول نہیں ہوگی۔ پس اسلامی قربانی کی آخری فضیلت یہ ہے کہ اس میں ایک ایسی حقیقت کو، قربانی کا انتہائی مقصد اور قبولیت کی شرط قرار دیا گیا جو خود انسانی زندگی کا منتہا ہے۔

قرآنی تعلیم کے مطابق قربانی، گوشت اور خون کا نام نہیں ہے بلکہ تقویٰ کا نام ہے اور احادیث نبوی کی تصریح کے مطابق تقویٰ یہ ہے کہ انسان ہر قسم کے گناہوں سے علیحدہ ہو جائے۔

ضرورت ہے کہ مسلمان قربانی کے ان مقاصد عالی کو سمجھیں اور اس حقیقت کو فراموش نہ کریں کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو کچھ بھی کیا تھا، اُمت کے لئے کیا تھا، لہٰذا جب تک ہماری قربانی کا زور اُمتِ مسلمہ کی زندگی اور مقاصدِ اُمت کی شادابی اور آبیاری میں صرف نہ ہوگا، صرف جانوروں کا چمڑا اُتانے سے کچھ حاصل نہیں۔ مسلمانو! اسلامی قربانی کی ادبیت اور روحانیت کو سمجھو، اسلام ایک حیوان کو قربان ہونے کے لئے ایک مسلمان کے سامنے لاتا

Marfat.com

ہے اور ساتھ ہی قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے الفاظ اُس کی زبان سے کہلوا تا ہے۔ اب اگر ہر سال اس بلند آہنگ اعلان کے اعادہ و تکرار کے باوجود حیوان تو قربان ہو اور مسلمان قربانی سے بھاگے تو اس بے عملی اور حیوانیت کا انجام جو کچھ بھی ہو گا، ظاہر ہے۔ ہاں! اے ظاہر بین طلبگارو! رسم کے پجاریو! بھیڑوں اور بکریوں کے گلوں پہ ہاتھ صاف کرنے والو! اس حیوان کی طرف بھی دیکھو جو خود غرضی اور نفس پرستی کی شکل میں تمہارے اندر موجود ہے۔ آؤ! سب سے پہلے اس حیوان کو ذبح کریں اور پاکبازی حاصل کریں۔ مسلمانو! مقامِ عدل کی طرف آؤ، مقامِ ابراہیمؑ کی طرف آؤ اور خونِ اسمٰعیلؑ سے غیرت و شہادت کی زندگی کا سبق طلب کرو اور حیاتِ انسانی پر حقیقتِ اسلام اور صداقتِ قرآن کے بند دروازے کھول دو، اسوۂ ابراہیمؑ کا حقیقی پیغام یہی ہے۔

۷۔ ابراہیمی قربانیوں کا منتہا

حضرت ابراہیمؑ نے جس قدر بھی قربانیاں کیں، اُن کا آخری مقصد کیا تھا؟ صرف یہ کہ رسول اللہؐ مبعوث ہوں، تکمیل یافتہ اُمت پیدا ہو اور یہ اُمت خود بھی اللہ کے قانون پہ چلے اور لوگوں کو بھی چلائے۔ اس سارے سلسلے کے لئے حضرت خلیلؑ کے ملت آفرین قلم نے ایک خاکہ بنایا اور عمل نے اس میں رنگ بھر دیا۔ اس اُمتِ مسلمہ کو عالمِ وجود میں لانے کے لیے جو تمام ملتوں کے لیے اُسوہ قرار پا جانے والی تھی، حضرت خلیل نے جو واحد طریق عمل اختیار فرمایا، وہ تبلیغ و اشاعت اسلام تھا۔ آپ نے خاندان، قوم، ملک اور بادشاہ کے سامنے

Marfat.com

اپنے مقاصد کی زبردست تبلیغ کی اور اس تبلیغ نے اُمتِ مسلمہ کی پیدائش کا سروسامان مہیا کر دیا، بجھی ہوئی طبیعتوں میں رسولِ برحق کی امید و انتظار کا شعلہ چمک اُٹھا۔ آلِ ابراہیمؑ نے اس شعلے کو اور چمکایا، توریت اور انجیل نے اس ذوقِ عظیم کی یہاں تک آبیاری کی کہ دخترانِ یروشلم تک کی آنکھیں اُس محبوبِ سُرخ و سفید کی راہ تکنے لگیں جو دس ہزار قدسیوں میں جھنڈے کی طرح کھڑا ہونے والا تھا اور یہ جو تم کتبِ سیرت میں پڑھتے ہو کہ بعثتِ محمدی اور ظہورِ اُمت کے وقت بہت سی منتظر اور مشتاق نگاہیں نبی موعود کے جمالِ جہاں آرا کے لئے لگی ہوئی تھیں۔ تو یہ سب کچھ حضرت ابراہیمؑ ہی کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایک سچے مبلغ کی تبلیغ میں کس قدر بے پناہ انقلابی قوتیں پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اب ہم یہاں صرف یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ نے کس کس طرح دینِ حق کی تبلیغ کی تھی۔؟ اور اس سے کس قدر شاندار نتائج پیدا ہوئے؟

۱۔ اخلاقِ ابراہیمؑ

آپ پہلے یہ دیکھیں کہ حضرت ابراہیمؑ کس اخلاقی سرمائے کے ساتھ اشاعتِ اسلام میں مصروف ہوئے تھے؟ ابراہیمیؑ اخلاق کے متعلق قرآنِ پاک کی پیش کردہ تفصیل درجِ ذیل ہے :-

حَنِیۡفٌ (یک رنگ)	مُسۡلِمٌ (اطاعت گذار)	مُوۡقِنٌ (صاحبِ یقین)
حَلِیۡمٌ (بردبار)	شَاکِرًا لِّاَنۡعُمِہٖ (خدا کی نعمتوں کا قدردان)	مُنِیۡبٌ (راجع بخدا)
صَالِحٌ (نیکوکار)	قَانِتٌ (ثابت قدم)	مُؤۡمِنٌ (صاحبِ ایمان)

Marfat.com

اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَار (صاحب عمل اور صاحب بصیرت) اَخْیَار (نیک)

مُحْسِنُ (صاحب احسان) صَاحِبُ قَلْبٍ سَلِیْم (پاک اور اجلے دل والا)

صِدِّیْق (راست باز) خَلِیْل (سچا دوست) اِمَام (پیشوا)

یہ اوصاف و انوار ہمارے دینی مبلغوں کے لئے اسوہ حسنہ ہیں، کیا ہمارے مبلغین اسلام اس نقشہ کے مطابق اپنے نفسوں کا جائزہ لیں گے؟ اور تبلیغ کے میدان میں اترنے سے پہلے اپنے آپ کو ابراہیمی اخلاق سے آراستہ کریں گے؟ آج مسلمانوں کی ناکامی اور اسلام کی بدنامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے مبلغوں کا عملی نمونہ صحیح نہیں ہے۔

ب۔ ایثار خلیل راہ تبلیغ میں حضرت ابراہیمؑ نے کیا کیا کھویا؟ قرآن کریم کہتا ہے کہ جو بھی شخص اللہ کی توحید سے انکار کرتا تھا حضرت ابراہیمؑ اسکی محبت کا رشتہ توڑ دیتے تھے۔

۱۔ رشتہ پدری کی قربانی (فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ) جب ظاہر ہوا کہ باپ خدا کا دشمن ہے، ابراہیمؑ اس سے الگ ہو گیا۔

۲۔ رشتہ قومیت کی قربانی (اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْۤ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ) تم سب اور تمہارے باپ دادا میرے دشمن ہیں۔ سوائے پروردگار عالم کے۔

۳۔ قومی معبودوں کی قربانی (فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا) آپ نے بتوں کو پرزہ پرزہ کر دیا۔

۴۔ بادشاہ سے انقطاع (حَآجَّ اِبْرٰهِیْمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ)

Marfat.com

۵۔ ایثارِ جان (اُقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ) ابراہیمؑ کو قتل کر دو، یا جلا دو۔

۶۔ وطنیت کی قربانی، آپ نے وطن کے تمام رشتوں کو توڑا اور "اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ" کہہ کر مملکتِ بابل سے ترکِ سکونت کر لی۔

ج۔ مقامِ ابراہیمؑ

ایثار و قربانی کے اس تسلسل پر غور کرو، یا بار بار غور کرو اور دیکھو کہ ان تمام علائق بندیوں میں سے جو ایک انسان پیدائش کے وقت اپنے ساتھ لاتا ہے، کوئی بھی علاقہ ایسا ہے جو اس حنیف کامل اور موحدِ اعظم نے اللہ کے لئے نہ توڑ دیا ہو، جب خون، نسلی، قومیت اور وطنیت کے وہ تمام پیدائشی اور اساسی رشتے کٹ چکے اور حضرت خلیلؑ ایک ایسی سرزمین میں جہاں معیتِ الٰہی کے سوا کوئی مادی معیت ساتھ نہ تھی، آ پہنچے تو خلاقِ فطرت نے اس آزاد اور بے نیاز وقت اور توحید پرور فضا میں، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُمت کی پیدائش کا سروسامان کیا، جس کا مادۂ ظہور، اس وقت تک حضرت خلیلؑ کے خون اور فکر میں مستور تھا۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کے قریب تھی اور کوئی اولاد نہ تھی۔ اب یہاں ایک سو سال کی تنہائی کے بعد مہاجر بابل کے دل میں اولاد کا احساس پیدا ہوا۔ خدا چاہتا تھا کہ اب اس موحدِ کامل کے ذریعہ سے نبی آخر الزمان اور ان کی اُمت کے ظہور کا سروسامان ہو، لہٰذا اُس کارسازِ غیب نے اُس کے دل کو حرکت دی۔ اور زبان سے بے اختیار "رَبِّ هَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ" والے نیاز [illegible] قبول فرما) کے الفاظ اس مردِ صالح اور موحدِ کامل کی زبان سے نکل [illegible] اس [illegible] فرزند کا اس شان سے استقبال کیا کہ وادی

شام و عرب کا گوشہ گوشہ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ کے نغموں سے گونج اٹھا، تھوڑا عرصہ بعد حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے، یکرنگیٔ توحید اور نا نثر ایمان کی تلیم اور بے نیاز فضاؤں میں پلنے اور جوان ہوئے، اس وقت حضرت ابراہیمؑ کو ایک عجیب خواب آیا، دیکھا کہ اس جوان صالح کو جو باپ کی پُر کیف صداؤں کا نتیجہ تھا، ذبح کر رہے ہیں۔ آپ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے خواب کا ذکر فرمایا، يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَا ذَا تَرٰى (بیٹا! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے؟) اولوالعزم باپ نے خواب کا ذکر کیا تھا مگر دانشمند بیٹے نے سر جھکا دیا اور کہا "ابا جان! آپ حکم خدا کی تعمیل کریں، آپ بفضل خدا جلد ہی دیکھ لیں گے کہ مجھ میں کتنی طاقت صبر کی ہے!" اس جملے پر غیرت و ایمان اور عزم و استحکام کی ہزارہا کائناتیں، مرغ نیم بسمل کی طرح تڑپنے لگیں۔ حضرت خلیلؑ اطاعت حکم کی محمودیوں سے چور ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس خدائی ہاتھ میں پھر حرکت پیدا ہوئی، جو اس سے پہلے خون، نسل، قومیت اور وطنیت کے رشتوں کو تیغ انقطاع کی نذر کر چکا تھا۔ ایک دفعہ یہ ہاتھ اسمٰعیلؑ کی طرف بڑھا اور اُسے خاک نیاز پر لٹا دیا۔ دوسری دفعہ تلوار کی طرف بڑھا اور چاہا کہ دامن خلّت و ایثار کو اسمٰعیلؑ کے مقدس خون سے ہمیشہ کے لئے سیراب کر دے، اسلاف کی طرح اولاد کی گردن کاٹے اور دونوں طرف کے رشتوں کی دونوں ہاتھوں سے دھجیاں اڑا کر اس کائنات عالم میں مقام ابراہیمؑ کی یکتائی کا ڈنکہ بجا دے، لیکن قبل اس کے کہ تیغ ابراہیمؑ کو خون اسمٰعیلؑ میں شناوری کی فرصت نصیب ہو، عالم لاہوت میں تہلکہ بپا ہو گیا، اسمٰعیلؑ

کی زندگی اور اسمٰعیلؑ کی نسل، نہیں نہیں اس پوری کائنات کی عظیم الشان زندگیاں اور عظیم الشان صداقتیں پوری اُمّتِ مسلمہ، اُمتِ مسلمہ کا جلیل القدر ہادیؐ اور زندہ جاوید قرآن اس وقت ابراہیمی تلوار کے نیچے تھے اور اب تلوار چلنے کے صرف یہ معنی تھے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے ساتھ محمد رسول اللہ، قرآن اور یہ ساری کائنات ذبح ہو جائے اور قیامت سے پہلے اس خاکدانِ ارضی پر لِمَنِ الملکُ الیوم کے ڈنکے بج جائیں۔ پس قبل اس کے کہ تلوار چلے اور حضرت اسمٰعیلؑ کے گلو سے لہو کی قیامت آفریں آبشاریں، طوفانِ نوح کی طرح دنیا و مافیہا کو بسترِ عدم پر لٹا دیں، آسمانوں اور زمینوں پر قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کے نقارے بج گئے اور کرۂ ارضی پر وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ اور وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ کا اعلان کر دیا گیا۔ یہ ہے مقامِ ابراہیمؑ یعنی وعادت واطاعت کا بلند منارہ جس پر حضرت ابراہیمؑ کے سوا آج تک کوئی دوسرا انسان کھڑا نہیں ہو سکا؛ اور وہ یہ ہے وہ "اسوۂ **قربانی**" جو اس موحدِ اعظم نے دنیا کے سامنے پیش کیا، ہاں ہاں یہی عظیم الشان۔ فقہ اسلامی قربانی کی بنیاد ہے اور ۷۰ کروڑ فرزندانِ اسلام کی گذشتہ تیرہ سو سالہ قربانیاں اس بحرِ ایثار کی ایک ہلکی سی موج ہیں۔

ایک نکتہ۔ فکرِ ابراہیمؑ نے اُمّت کا نقشہ کھینچا تھا، عمل و ایثارِ ابراہیمؑ نے اس سے ایک اُمّت پیدا کر دی اور اس طرح حضرت ابراہیمؑ ایک شخص نہ رہے بلکہ ایک اُمّت بن گئے جیسا کہ قرآن نے انہیں ایک اُمّت قرار دیا ہے۔ . .

Marfat.com

إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا۔ ابراہیمؑ ایک فرماں بردار اور اللہ کے لئے خالص اُمّت تھے۔

پس اسوۂ ابراہیم علیہ السلام کا آخری پیغام یہ ہوا کہ ہر سچا رہنما بذاتِ خود ایک قوم ہوتا ہے یا بالفاظِ دیگر سچے رہنماؤں کا فکر و ایثار ہی وہ حقیقی مادہ ہے جس سے قومیں بنتی ہیں اور زندہ رہتی ہیں۔

Marfat.com

خطباتِ ابراہیمؑ

خطبہ اوّل

اسلامی ریاست و حکومت

اسلامی ریاست کے حدود سورۂ بقرہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے :-

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا

وہی ہے جس نے پیدا کیا واسطے تم سب کے جو کچھ کہ زمین میں ہے سب کا سب

زمین کی سب چیزیں اللہ نے سب انسانوں کے لئے پیدا کر دیں اور جب نوعِ انسان کا یہ مشترکہ مادی دسترخوان یہاں بچھ گیا تو :-

ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ

پھر وہ متوجہ ہوا طرف آسمان کی پس اس نے ہموار کیا انہیں سات آسمان

یعنی زمین کی ساری نعمتیں انسان کے لئے پیدا کر دیں بعدہ وہ بلندیوں کی طرف متوجہ ہوا۔

Marfat.com

اور اس نے انسان کے لئے ایک دوسرا ملک پیدا کیا۔ یہ روحانی ملک تھا، علوی ملک تھا۔ یکے بعد دیگرے بلند ہونے والے درجے تھے۔ یہ دونوں ملک، ملکِ مادیت، ملکِ روحانیت، انسان کے لئے پیدا ہو چکے تو اللہ نے فرشتوں سے فرمایا:-

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَہ

میں بنانے والا ہوں زمین میں اپنا نائب

یعنی اللہ نے پہلے ملک پیدا کیا، جو دنیا سے آخرت تک وسیع تھا اور اس کے بعد خلیفہ بنایا۔ اسلام کی حکومت و ریاست کی حدود انہیں دونوں ممالک تک وسیع ہیں اور مسلمان کا منتہاء صرف اسی مادی دنیا کی دولتیں نہیں بلکہ ملکِ آخرت کی دولتیں اور وسعتیں بھی اس میں شامل ہیں۔

اسلامی حکومت کی دو بنیادیں

برادرانِ اسلام! اسلامی نظامِ حکومت کے بنیادی دعوے صرف دو ہیں۔ ایک دعویٰ یہ ہے کہ اس دنیا کا خالق و مالک اور بادشاہ صرف خدا ہے۔ دوسرا دعویٰ یہ ہے کہ خدا نے زمین و آسمان میں جس قدر بھی نعمتیں پیدا کی ہیں۔ وہ کسی ایک شخص یا قوم کی خاطر نہیں بلکہ سب انسانوں کی خاطر پیدا کی ہیں جس طرح خدا سب انسانوں کا ایک خدا ہے۔ اسی طرح خدا کی تمام پیدا کردہ نعمتیں بھی وہ زمین میں ہوں یا آسمانوں میں سب انسانوں کی مشترکہ ہیں۔

توحید میں اصل مشکل

اگر انسان ان دونوں باتوں پر انصاف اور محبت کے ساتھ از خود عمل کر لیتے تو نبیوں کے ذریعہ سے خدائی ہدایت کے نازل

کرنے کی کچھ بھی ضرورت نہ ہوتی، مگر ایسا نہیں ہوا۔ انسانوں نے عام طور پر یہ تو ہر ایک زمانے میں تسلیم کر لیا ہے کہ اس دُنیا کا خالق اور مالک خدا ہے، مگر یہ تسلیم نہیں کیا کہ زمین و آسمان میں خدا تعالےٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، ان میں سب کے سب انسان برابر کے حصہ دار ہیں۔ مثال کے طور پر آپ سورۂ مومنون دیکھئے، ارشاد ہوتا ہے "اے نبی! آپ کافروں سے پوچھیں، زمین اور زمین کی سب دولتیں کس کی ہیں؟ یہ کہیں گے "اللہ کی۔ پھر آپ پوچھیں، ساتوں آسمانوں کا اور عرش معظم کا ربّ کون ہے؟ یہ کہیں گے اللہ۔ پھر آپ پوچھیں، وہ کون ہے جو تمام اختیارات کا مالک ہے جو سب کو پناہ دیتا ہے اور اس کے مقابلے میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا؟ وہ کہیں گے، اللہ۔ اسی طرح سورہ عنکبوت میں ہے اے نبیؐ! تم کفار سے پوچھو کہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا اور سورج اور چاند پر حکومت رکھنے والا کون ہے؟ وہ یہی جواب دیں گے کہ اللہ۔ قرآن پاک کی ان آیات سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ زمانۂ رسالتؐ کے کفار اللہ تعالیٰ کو زمین و آسمان کا خالق و مالک تسلیم کرتے تھے مگر اس "تسلیم" کا جو تقاضا ہے وہ اُسے تسلیم نہیں کرتے تھے۔ یہ اصول تسلیم کرنے کے بعد کہ سب انسانوں کا خدا ایک ہے، چاہیئے تھا کہ خدا کی پیدا کردہ دولتیں اور نعمتیں بھی سب انسان مل کر اور تقسیم کر کے کھاتے، بلکہ کافر، ظالم اور منافق لوگ اس اصول کو نہیں مانتے تھے۔ اس واسطے ضروری ہوا کہ خدا کے نبی آئیں اور انسانوں میں عدل قائم کریں۔ [illegible] بعثت کا [illegible] کی اصل بنیاد یہی ہے۔

۴۔ پیغامِ اسلام کا مرکزی نقطہ برادرانِ اسلام! اسلام کے سیاسی نظام کا بنیادی اصول یہ ہے کہ کوئی انسان خواہ کس قدر بھی بڑا اور بزرگ کیوں نہ ہو، وہ دوسرے انسان کا حاکم نہیں ہو سکتا۔ اسلامی اصول کے مطابق حکومت صرف اللہ کا حق ہے۔ قانون بنانا بھی خدا کی شان ہے۔ انسان، انسان کا خادم ہو سکتا ہے، بھائی ہو سکتا ہے، امام یا رہنما ہو سکتا ہے، حاکم اور بادشاہ نہیں ہو سکتا۔ سورۂ یوسف کا فرمان ہے:۔

اِنِ - الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ

نہیں - حکم سوائے اللہ کے

سورۂ آلِ عمران میں ہے:۔

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ۔ اے رسولؐ! یہ لوگ تم سے پوچھتے ہیں کہ اختیارات میں کچھ ہمارا بھی حصہ ہے؟ آپ فرما دیں کہ حکم اور اختیارات سب اللہ کے لئے ہیں۔ اسلام نے جو سیاسی پیغام دنیا کو دیا، وہ یہ تھا کہ حاکم اصلی صرف خدا ہے۔ انسان سب کے سب اس کی رعیّت ہیں، قانونِ زندگی وہ ہے جو خدا تعالیٰ نے مکمل کر کے نبیوں کے ذریعہ بھیج دیا ہے۔ اب انسانوں کا کام صرف یہ ہے کہ وہ اس قانون کے ماتحت خود بھی زندہ رہیں اور زندگی کے معاملات کا انتظام بھی کریں۔ جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو یہ پیغام سنایا تو اس کا مطلب یہ سمجھا گیا اور یہی سمجھا جانا چاہیئے تھا کہ اسلام اس لئے آیا ہے تاکہ ظالم، جابر، گمراہ یا چالاک آدمیوں نے

Marfat.com

دنیا میں جس قدر بھی مذہبی یا سیاسی حکومتیں قائم رکھی تھیں، اُن سب کو ملیامیٹ کر دیا جائے اور آیندہ کے لئے دُنیا کی یہ صورت ہو کہ نہ کوئی انسان غلام ہو اور نہ کوئی حاکم ہو۔ سب انسان بھائی بھائی ہوں اور قانونِ الٰہی کے پابند ہوں۔

ماسوا کی بغاوت فرض ہے

برادرانِ عزیز! آپ ایک دفعہ تسلی کے ساتھ سمجھ لیں کہ اسلام کا اصلی پیغام کیا ہے۔ سورہ نساء میں حکم ہوتا ہے وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا۔ اللہ کی عبادت کرو اور کسی دوسری طاقت کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ یہ ایک آیت سارے قرآن کی جان ہے۔ اگر آپ نے اس ایک آیت کو اچھی طرح سمجھ لیا تو آپ یقین کیجئے کہ آپ نے سارا قرآن سمجھ لیا۔ اسلام کا، خدا کا اور خدا کے رسول کا جو کچھ بھی فرمان ہے، ایک یہ ہے کہ آپ صرف ایک خدا کو اپنا بادشاہ مان کر صرف اُسی کے قانون کی اطاعت کریں۔ دوسرا یہ ہے کہ کسی دوسری طاقت کے قانون کی اطاعت نہ کریں۔ جس طرح خدا کی عبادت فرض ہے اسی طرح غیر خدا سے بغاوت کرنا بھی فرض ہے۔ یہاں آپ بھول نہ جائیے۔ عبادت کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں کہ آپ زبان سے اللہ اللہ کرتے رہیں۔ عبادت کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اب آپ غلامی کی حالت میں انگریزی قانون کی پابندی کر رہے ہیں اسی طرح خدا کو بادشاہ مان کر خدا کے ایک ایک حکم کی اطاعت کریں۔ مثلاً خدا کہتا ہے، تجارت کرو، حکمِ خدا کے مطابق تجارت کرنا عبادت ہے۔ مختصر یہ کہ اسلام نے دنیا میں خدا کی حکومت قائم کرنے کے لئے جو اصولی بات کہی، وہ یہ ہے کہ آپ خدا کا حکم مانیں اور غیر خدا کے حکم سے بغاوت

کریں تاکہ سب کے سب انسان خدا کی نعمتوں میں برابر کے شریک بن جائیں۔ جب تک ہر انسان اور ہر مسلمان مضبوطی کے ساتھ اس حکم پر قائم نہ ہو، زمین میں عدل قائم نہیں ہو سکتا۔

توحید اور شرک کی حقیقت

عزیزانِ اسلام! بغاوت کا یہ مطلب نہیں کہ صرف برطانیہ یا اٹلی سے بغاوت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان بھی بادشاہ ہونے کا دعوےٰ کرے تو اس کے خلاف بھی بغاوت کرنی چاہیئے۔ اس لئے کہ کسی بھی انسان کا حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے انسان کا بادشاہ ہو اور اپنا قانون بنا کر دوسرے انسانوں کو اسکی اطاعت پر مجبور کرے۔ دیکھو پیغمبرِ اسلام کی تشریف آوری سے پہلے چند گنتی کے انسان یا چند خاندان یا مذہبی پیشوا دوسرے لوگوں پر حکم چلاتے تھے حضورؐ نے اُن سب کے حکموں کو توڑ دیا۔ یہ تھا شرک کا رد۔ پھر حضورؐ نے سب لوگوں کو خدا کی حکومت کے سامنے جھکا دیا، یہ تھا توحید کا قیام۔ آپ سمجھے، غیر خدا کی حکومت کے مٹانے کو رد شرک کہتے ہیں اور خدا کے قانون کی حکومت قائم کرنے کو قیام توحید کہتے ہیں۔ پھر خلفائے راشدہ کے بعد یزید اور ان کے ساتھیوں نے بادشاہی کا اعلان کر کے لوگوں پر اپنا حکم چلانا شروع کیا۔ اس پر امام حسینؓ کھڑے ہو گئے تاکہ اس یزیدی حکومت کے بت کو پاش پاش کر دیں۔ کچھ شک نہیں کہ ایک یزید مٹ گیا مگر ابھی ہزاروں یزید زندہ ہیں اور وہ زمین، سمندر اور پہاڑوں کی دولتوں پر تن تنہا قبضہ کر کے اور خود کو بادشاہ کہلوا کر خدا کے کروڑوں بندوں کو اپنے پیدائشی حق سے محروم کیے ہوئے ہیں۔ آؤ! حضرت

امام حسین رضؓ کے نقشِ قدم پر چل کر شاہنشاہیت کے ان تمام بتوں کو پاش پاش کر دیں۔

خلاصہ بحث

عزیزانِ اسلام! آپ پچھلی ساری بحث کا خلاصہ سمجھ لیں۔ اسلام صرف اس قدر نہیں کہ آپ زبان سے اللہ اللہ کہتے رہیں، مسجد میں جائیں اور نماز پڑھیں۔ پھر رمضان کا چاند نکلے تو روزے رکھ لیں۔ اگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے اتنا ہی مطالبہ کرتے کہ مسلمانوں کو زبان سے اللہ اللہ کہہ لینے دو اور ایک گوشے میں جمع ہو کر نماز پڑھ لینے دو، تو کفار فوراً یہ کہہ دیتے کہ مسلمان ایسا کر لیں، اس میں ہمارا کیا نقصان ہے؟ لیکن کفار مکہ جو رات اور دن اسلام کو دیکھ کر تڑپتے تھے، مسلمانوں کو لکڑیوں سے پیٹتے تھے، تلواریں اٹھاتے تھے اور حملے کرتے تھے تو صرف اس لئے نہیں کہ مسلمان زبان سے اللہ اللہ کیوں کہتے ہیں؟ بلکہ اس لئے کہ مسلمان دنیا میں اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں اور ان کی حکومتوں کو توڑنا چاہتے ہیں اور سب انسانوں کو بھائی بھائی بنا کر خدا کی نعمتوں اور زمین کی دولتوں میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ایسا کرنے سے کفار کی اپنی دولت، حکومت، سرداری اور اقتدار چھنتا تھا۔ اس واسطے وہ مارا مار اسلام کے دشمن ہو گئے۔ انہی چیزوں کے لئے یزید نے امام حسینؓ کو قتل کیا اور اب بھی اللہ اللہ کرنے یا مسجد میں بیٹھنے سے تمہیں نہ ہندو کچھ کہتا ہے اور نہ انگریز، لیکن جب تم یہ کہتے ہو کہ ہم بھی خدا کے بندے ہیں، اس واسطے خدا کی پیدا کردہ دولتوں میں ہمارا بھی حصہ ہو گا کہ وہ تو ہندو اور انگریز دونوں تیوری چڑھا

لیتے ہیں۔ انہیں تیوری چڑھانے دو، تم اپنے حق سے ہرگز نہ ٹلو۔ صداقتِ اسلام کی راہ صرف یہی ہے۔

ابراہیمی امامت کے لوازم

امامت کے لئے امتحان کی شرط اب سوال یہ ہے کہ اسلام کی امامت حاصل کس طرح ہو؟ سورۂ بقر کی یہ آیت اس کا جواب ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔

وَاِذِ ابْتَلٰۤی اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ۔ خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چند باتوں میں امتحان لیا۔ فَاَتَمَّهُنَّ حضرت ابراہیمؑ سب امتحانوں میں پورے اترے۔ اس پر حکم ہو گیا۔ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ اے ابراہیمؑ! ہم نے تم کو سب انسانوں کا امام بنا دیا۔ یہاں آپ یہ چیز نوٹ کیجئے کہ اقوامِ عالم کی زندگی کا اصل جھگڑا کیا ہے؟ قرآن کہتا ہے کہ انسانوں کی وہ امامت اور سرداری جو حضرت ابراہیمؑ کو دی گئی تھی، تمام لوگ اسی کے طلبگار ہیں، اسی امامت کے لئے قومی معرکے ہیں، اسی امامت کے لئے مذہبوں کی لڑائیاں ہیں۔ یہودی چاہتے ہیں کہ یہ امامت اور سرداری ہم کو ملے۔ عیسائی چاہتے ہیں کہ ہم کو ملے اور مسلمان چاہتے ہیں کہ ہم کو ملے۔ اگر بطور حق و عدل کے

Marfat.com

نہ ملے تو ہر ایک قوم ظلم وستم سے ہی اس کو حاصل کرنے کے درپے ہے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے آپ کو دیکھنا یہ چاہیئے کہ یہ امامت خود حضرت ابراہیمؑ کو کیونکر ملی تھی؟ آیت بتاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے انہیں چند باتوں میں آزمایا، وہ پورے اُترے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ انسانوں کے امام بنا دیئے گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ ابراہیمی امامت نتیجہ ہے خدا کے امتحان میں پورا اُترنے کا۔ جو قوم دوسری قوموں کی نسبت خدا کے کلمات و قوانین کو زیادہ پورا کرے گی، وہ امامت کی حقدار ہو گی۔ خواہ اس قوم کا نام کچھ ہی کیوں نہ ہو" خدا کے امتحان" سے مراد خدا کے قوانین ہیں۔ جو قوم غیر خدا کے مقابلے میں خدا کے قوانین کی زیادہ پابندی کرے گی، وہی امتحان میں کامیاب ہے اور وہی وراثتِ ابراہیمؑ کی مالک ہے۔

ابراہیمی جانشینی کا قانون

عزیزانِ اسلام! جب حضرت ابراہیمؑ کو امامت مل چکی، تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں سوال کیا "اے مالک! کیا یہ امامت میری اولاد کو بھی حاصل ہو گی؟ چونکہ ابراہیمی اُمت کی بنیاد عدل پر رکھی گئی تھی لہٰذا حکم ہوا :۔ وہ ظالموں کی جماعت کو کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ انسانی مظالم کے درجات مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی جماعت کم ظالم ہے کوئی اس سے زیادہ، کوئی سب سے بڑھ کر۔ جس جماعت کے مجموعی اعمال جیسے کچھ ہوتے ہیں، قدرت کی طرف سے ویسی ہی زندگی اس کو دی جاتی ہے۔ جب یہودی قوم نے حضرت ابراہیمؑ کے اصولوں پر عمل کیا تو اِنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کے مطابق انہیں تمام جہان والوں کی سرداری کا فخر

Marfat.com

بخشا گیا، لیکن جب یہی قوم ظالم، بدکار، عیاش، کاہل، نافرض شناس، بداخلاق، عہد شکن بہانہ باز اور خائن بن گئی تو خدا تعالیٰ نے تمام ابراہیمی نعمتیں ایک ایک کر کے اس سے چھین لیں اور دنیا کی سرداری کا تاج حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم کو پہنا دیا، لیکن ایک بڑا زمانہ گذرنے کے بعد جب عیسائی قوم بھی عدل، اخلاق، دیانت اور اتفاق کی دولتوں سے محروم ہو گئی تو خدا تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو اسلامی اصولوں پر چلنے کے صدقے میں ابراہیمی امامت کا تاج عنایت فرمایا اور آدھی دنیا میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو گئی مگر افسوس کہ مسلمان بھی یہود اور نصاریٰ کی طرح اسلامی اصولوں پر قائم نہ رہ سکے اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج حضرت ابراہیمؑ پر شب و روز درود و سلام پڑھنے کے باوجود ہماری حالت تمام دنیا کی قوموں سے زیادہ بدتر ہو رہی ہے۔

دنیائے اسلام کی محرومی | آپ مختلف اسلامی ممالک کی حالت دیکھئے:-

نام ملک	کل مسلم آبادی	
مصر	۱۲۹ لاکھ	محکوم برطانیہ
ٹانگانیکا	۲۵ لاکھ	" "
ملایا	۲۰ "	" "
فلسطین	۵½ "	" "
ہندوستان	۹ کروڑ	" "
شام	۱۵ لاکھ	محکوم فرانس

نام ملک	کل مسلم آبادی	
الجزائر	۶۲ لاکھ	محکوم فرانس
ٹیونس	۲۱ "	" "
حبش	۴۰ "	محکوم برطانیہ
مراکش	۸ "	محکوم ہسپانیہ
جزائر سماٹرا وغیرہ	۴ کروڑ	محکوم ہالینڈ

Marfat.com

کہاں تک شمار کیا جائے، دنیا میں مسلمانوں کی مجموعی آبادی ۷۰ کروڑ سے زیادہ ہے مگر ۵۰ کروڑ سے زیادہ مسلمان برطانیہ، فرانس، ہالینڈ، اٹلی اور ہسپانیہ کی غلامی میں مبتلا ہیں۔ اور ذلّت و عذاب کی زندگی گزار رہے ہیں۔ فرمایئے، کسی قوم کی اس سے زیادہ بُری حالت اور کیا ہو سکتی ہے؟

ہمارے چار ظلموں کا نتیجہ محرومی

ہم مسلمان اپنی جانوں پر چار بڑے ظلم کر رہے ہیں۔ ہمارا پہلا ظلم یہ ہے کہ ہم نے یادِ خدا کی حقیقت مسخ کر دی ہے۔ ہم مسجد میں جا کر نماز ادا کرتے ہیں اور مسجد سے باہر نکلتے ہی ظلم و فریب، جھوٹ اور غیبت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اِدھر ہم سجدے کرتے ہیں اور اُدھر لوگوں کا حق چھینتے ہیں۔ ہم نمازی کہلاتے ہیں مگر نمازیوں جیسے کام نہیں کرتے۔ غرضیکہ ہمارا سب سے پہلا ظلم یہ ہے کہ ہم خدا سے کچھ کہتے ہیں اور بندوں سے کچھ کرتے ہیں۔

ہمارا دوسرا ظلم یہ ہے کہ ہم نے اپنی خداداد قوتوں کو بیکاری کی نذر کر دیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہم کو ہاتھ، پاؤں، زبان اور آنکھ کام کرنے کے لئے دیئے تھے مگر افسوس کہ ہم نے خدا کی ان تمام نعمتوں کو بیکاری اور کاہلی کی نذر کر دیا ہے۔ اگر ایک شخص کسی عورت کو بُری نظر سے دیکھتا ہے تو وہ صرف آنکھوں پر ظلم کرتا ہے۔ اگر ایک شخص زبان سے جھوٹ بولتا ہے تو وہ صرف زبان پر ظلم کرتا ہے۔ اگر ایک شخص چوری کرتا ہے تو وہ صرف اپنے ہاتھوں پر ظلم کرتا ہے، لیکن جو شخص بے کار رہتا ہے وہ اپنی ساری زندگی پر اور سارے جسم پر ظلم کر رہا ہے اور اس لئے وہ سب سے بڑا مجرم ہے۔ آپ دنیا کے کسی

میدان میں چلے جائیں، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں بے کاری، غفلت اور کاہلی کے ظلم کے سب سے بڑے بڑے ٹھیکیدار ہم مسلمان ہیں۔ شاید یہ کہا جائے کہ مسلمانوں کو کام نہیں ملتا، مگر اس کی وجہ بھی صرف یہی ہے کہ ہم نے دیانتداری کے ساتھ جان توڑ کر کام کرنے کا اصول پس پشت ڈال دیا ہے۔

ہمارا تیسرا بڑا ظلم یہ ہے کہ ہم نے خیرات کی حقیقت کو بھی مسخ کر دیا ہے۔ زکوٰۃ اس لئے فرض کی گئی تھی کہ اس سے قوم کی پستی اور کمزوری کا علاج کیا جائے مگر ہم زکوٰۃ و خیرات کے روپے سے پیشہ ور بے کاروں اور گداگروں کی پرورش کر رہے ہیں اور قوم کو اور بھی زیادہ بے کار اور گداگر بنا رہے ہیں۔ یہ اس لئے کہ ہم زکوٰۃ نکالتے ہیں مگر بیت المال میں نہیں بھیجتے۔

ہمارا چوتھا بڑا ظلم یہ ہے کہ ہم نے نماز اور روزے سے بھی زیادہ نا اتفاقی کو اپنا فرض منصبی سمجھ لیا ہے۔ ہمارا کوئی بھی کام نا اتفاقی سے خالی نہیں ہے۔ کوئی شخص برائی کرے تو ہم اس کے مخالف ہیں، نیکی کرے تو ہم پھر بھی اس کے مخالف ہیں۔ ہم امیروں کے بھی خلاف ہیں اور غریبوں کے بھی خلاف ہیں۔ ہمارے دین میں جھگڑا ہے۔ ہماری مسجدوں میں نفاق ہے۔ ہماری کمیٹیوں اور انجمنوں میں دھڑے بندی ہے۔ ہماری اس ظالمانہ روش کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہمارے دماغ علم سے اور ہمارے دل ایمان سے خالی ہو چکے ہیں۔

یہ انہیں چار ظلموں کا نتیجہ ہے کہ مسلمان، حضرت ابراہیمؑ کے ورثہ خلافت سے

Marfat.com

محروم ہو گئے ہیں۔

طریقِ حصولِ خلافت

تنظیم جماعت کے تین نکات

جب حضرت ابراہیمؑ نے منصب پیشوائی پر فائز ہو کر اپنے عہدے کا چارج لے لیا، تو آپ کو پہلا حکم یہ ہوا۔ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ - ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کے جمع ہونے کا صدر مقام، امن کا مرکز اور نماز کی جگہ مقرر کر دیا اور حضرت ابراہیمؑ نے اور اسمٰعیلؑ سے یہ وعدہ لیا کہ تم ان مقاصد کو پیش نظر رکھ کر میرے گھر کو طواف والوں، اعتکاف والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھنا۔ تاکہ دنیا کی سب قومیں یہاں جمع ہو کر میرا حکم مانیں اور تمہارے نمونہ کی پیروی کریں۔ طَهِّرَا بَيْتِيَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ گھر جسے اللہ نے ابراہیمی ملت کے اجتماع کا مرکز مقرر کیا ہے، ہر آلائش سے پاک رہے، یہاں شور نہ ہو، فساد نہ ہو، تنگی اور تعصب نہ ہو، رنگ نسل کی منافرت نہ ہو۔ اس آیت سے ثابت ہے کہ خانہ کعبہ کے، مرکز اسلام کے اور اسلامی جماعت کے جو حضرت ابراہیمؑ کے ذریعہ پیدا کی گئی، بنیادی اصول صرف تین تھے۔ تنظیم، امن اور عبادت۔ جیسے مَثَابَةً لِّلنَّاسِ (انسانوں کے اجتماع کا مرکز) وَاَمْنًا (امن کا مرکز)، وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (عبادت

کا مرکز) کے الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے۔ اب اگر اسلام کے نام لیوا انہی تین بنیادوں (۱۔ تنظیم ۲۔ امن۔ ۳۔ عبادت) پر قائم ہو جائیں تو وہ پھر نوع انسان میں پیشوائی کا درجہ حاصل کر سکتے ہیں۔

یہاں تنظیم، امن اور خدا پرستی کے تعلق کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ ان تینوں اصولوں میں اصل کام کرنے والی طاقت تنظیم ہے۔ تنظیم ایک انجن ہے جو گاڑیوں کو کھینچتا ہے۔ خدا پرستی یا عبادت وہ بھاپ ہے جو اس انجن کو چلاتی ہے اور امن وہ ریلوے لائن ہے جس پر یہ انجن حفاظت کے ساتھ چلتا ہے یا یوں سمجھئے کہ تنظیم ایک پرندہ ہے اور امن اور عبادت اس کے دو پنکھ ہیں۔ جس طرح کوئی پرندہ پروں کے بغیر اڑ نہیں سکتا اس طرح ابراہیمی اور محمدی جماعت بھی امن اور خدا پرستی کے بغیر ترقی نہیں پا سکتی۔

۱۔ خدا پرستی:- خدا پرستی جس کی بہترین شکل نماز با جماعت ہے، نماز ایک ایسی طاقت ہے جو ہر قسم کے اختلافات کو مٹا دیتی ہے۔ دولت مند دربار خدا میں حاضر ہو کر دولت کے نشے کو بھول کر جاتا ہے۔ بادشاہ سر سے تاج اتار دیتا ہے اور ایک فقیر کے ساتھ سربسجود ہو جاتا ہے۔ ایک فاقہ کش جب دعا کرتا ہے "اے مالک! میں کون ہوں میرے اہل و عیال کا اصل مالک اور محافظ صرف تو ہے" تو اس کے فکر و غم بھی سب دور ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ آقا و غلام، آزاد و اسیر اور غریب و امیر اگر ایک جسم اور ایک جماعت بننا چاہیں تو انہیں اپنے اندر بارگاہ الٰہی میں خلوص کے ساتھ حاضر ہونے، دعائیں مانگنے اور سجدہ ریز ہونے کی عادت ڈالنی چاہیئے۔

Marfat.com

۲- امن - امن اِس لئے ضروری ہے کہ جماعت کا کوئی شخص کسی نیک کام میں دوسرے شخص کا راستہ نہ روکے اور جماعت کی قوتیں ایک دوسرے سے ٹکرا کر ضائع نہ ہوں جس طرح خداپرستی روحانی اتحاد کا ذریعہ ہے۔ اس طرح امن جسمانی اتحاد و سکون کا ذریعہ ہے۔ خداپرستی کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی جماعت کے ظاہری تعلقات میں کسی قسم کا ٹکراؤ نہ ہونے پائے۔ جب یہ دونوں شرطیں پوری ہو گئیں تو افرادِ قوم جو اب تک الگ الگ تھے اب ایک جسم بن جائیں گے اور جب کسی قوم کے افراد ایک جسم بن گئے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ وہ کامیاب نہ ہوں۔

۳- تنظیم - زمانہ جاہلیت میں اشخاص و افراد کی حوصلہ مندی پر بڑے بڑے کام انجام پایا کرتے تھے۔ اس دور میں ایک سخی، پورے خاندان کی عزت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک پہلوان اپنی ساری قوم کا محافظ ہوتا تھا۔ میدان جنگ میں پہلے ایک ایک بہادر ایک ایک کے مقابلہ پر نکلتا تھا اور ان کی فتح و شکست سے فوجوں کی فتح و شکست کی فالیں لی جاتی تھیں، لیکن جس زمانے میں آپ رہتے ہیں اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں شخصی کارکردگی کی بجائے جماعتی کوشش کا اصول ہر جگہ کارفرما ہو گیا ہے، آج طاقتور اور کامیاب جماعت وہ سمجھی جاتی ہے جس کے ممبروں میں ایک آواز پر اٹھنے ایک آواز پر بیٹھنے، ایک آواز پر حرکت کرنے کی طاقت موجود ہو۔ آپ نے لائیڈز بنک کا حال سنا ہوگا، جن چار یا پانچ بنکوں پر سلطنت برطانیہ چل رہی ہے ان میں سے ایک لائیڈز بنک ہے۔ اس بنک کے ایک حصے کی قیمت ایک پونڈ ہے اور ایک کروڑ آدمی

بنک کے حصے دار ہیں۔ غور کیجیئے۔ ایک کروڑ آدمی صرف ایک ایک پونڈ دیتے ہیں اور انگریزی قوم اس روپے کی طاقت سے دنیا کی ہزارہا منڈیوں پر حکومت کر رہی ہے۔ معلوم نہیں ہے کہ آپ نے تنظیم کا مطلب کیا سمجھا ہے؟ تنظیم، مجموعی کوشش کو کہتے ہیں۔ تنظیم مل کر کام کرنے کو کہتے ہیں۔ تنظیم کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی قومی کام سامنے آجائے سب کے سب لوگ ایک آواز کے ساتھ اس کی تکمیل میں لگیں اور اُسے مکمل کر دکھائیں۔ سٹالن نے انگلی اٹھائی، اور لاکھوں روسی شیروں کی طرح مارتے اور دھاڑتے جرمنی پر ٹوٹ پڑے۔ یہ تنظیم ہے۔ سٹالن نے کہا باربرداری کے لئے سواریوں کی ضرورت ہے، لاکھوں روسیوں نے اپنی اپنی موٹریں حکومت کے حوالے کر دیں اور ایک آواز میں کئی لاکھ موٹریں جمع ہو گئیں۔ یہ تنظیم ہے۔ لندن کی بجٹ کمیٹی نے بڑے دنوں پر کفایت کے کوپن "بیچنے کا اعلان کیا تھا۔ اس اعلان کے بعد ہر روز لندن کے انگریزان کوپنوں "کو خریدتے تھے کہ بڑے دنوں کے عظیم الشان اخراجات نکالنے کے بعد حکومت کو ہر روز ۱۵ لاکھ پونڈ بچ رہتے تھے۔ یہ تنظیم ہے۔ لندن کے لارڈ میئر نے ریڈ کراس کے لئے اپیل کی تھی، چند ہی دنوں میں ۹ لاکھ ۱۰ ہزار پونڈ کی رقم جمع ہو گئی، یہ تنظیم ہے۔

عزیزانِ اسلام! آپ انگریزوں اور جرمنوں کی تنظیم سے حیران نہ ہوں۔ وہ کتنے ہی ترقی کر جائیں، وہ رسول اللہؐ کی تنظیم کی گرد تک کو بھی نہیں پا سکتے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شراب حرام"۔ تمام مسلمانوں نے اسی دن شراب کے مٹکے پھینک دیے اور

صراحیاں توڑ ڈالیں اور صرف ایک ہی آواز میں تمام مدینہ شراب سے پاک ہو گیا۔ یہ اسلامی تنظیم تھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا "رمضان میں روزے رکھو" تمام عرب میں ایک مسلمان بھی باقی نہ رہا جس نے تیس دنوں کے لئے دن کا کھانا ترک نہ کر دیا ہو، یہ اسلامی تنظیم تھی۔ رسول اللہؐ نے فرمایا تھا، جہاد کو نکلو، اس پر نو نو دس دس سال کے بچے بھی میدان میں نکل آئے اور ایڑیاں اُٹھا اُٹھا کر اپنے قدموں کی پیمائش دینے لگے، یہ اسلامی تنظیم تھی۔

Marfat.com

خطبۂ دوم

جہادِ ابراہیمی کی حقیقت

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ :- وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ ط ھُوَ اجْتَبٰکُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ ط مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ آج کی عید قربان کو آپ کے لئے اور تمام مسلمانانِ دنیا کے لئے مبارک کرے، آپ کو پیغامِ ابراہیمؑ کے سننے اور ملتِ ابراہیمی کے زندہ کرنے کی توفیق بخشے اور ورثہ ابراہیمؑ کا وارث بنائے۔ اگر آپ صحیح معنوں میں عید قربان کی برکتوں کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو چاہیئے کہ آپ اپنی زندگی کو ابراہیمیؑ سانچے میں ڈھال لیں، ابراہیمیؑ اور محمدی سانچے میں فرق کچھ نہیں ہے، یہ ایک ہی خدائی دین کے دو نام ہیں، ایک جگہ قرآن کہتا ہے :- لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے۔

تو دوسری جگہ وہ یہ بھی فرماتا ہے :- لَقَدْ کَانَتْ لَکُمْ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ بے شک تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے ابراہیمؑ کی زندگی میں۔

ہم آج کے خطبے میں یہ بیان کریں گے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زندگی میں وہ کیا

کیا قدم اُٹھائے، جن کی آپ لوگ پیروی کر سکتے ہیں۔

اے میرے دینی بھائیو! سورۂ بقر کی ۱۲۴ ویں آیت سے حضرت ابراہیمؑ کا ذکر شروع ہوتا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے، وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ ۖ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۔ خدا تعالیٰ نے چند باتوں میں حضرت ابراہیمؑ کی آزمائش کی، فَأَتَمَّهُنَّ، آپ اُن میں پورے اُترے۔ اس کے بعد اعلان کر دیا گیا، إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا ۔ اے ابراہیمؑ ہم تمہیں نوعِ انسان کا امام بناتے ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ ابراہیمیؑ مذہب میں پہلے امتحان اور آزمائش ہے اور اس کے بعد امامت ہے اگر آپ امامت چاہیں اور امتحان نہ دیں تو آپ حضرت ابراہیمؑ کے ماننے والے نہیں، بلکہ جھٹلانے والے ہوں گے۔

عزیزانِ اسلام! آپ پوچھیں گے کہ وہ آزمائشیں کیا تھیں، جن میں حضرت ابراہیمؑ پورے اُترے اور پھر تاجِ امامت کے حقدار سمجھے گئے۔ اس کے لئے آپ قرآن کا مطالعہ فرمائیے، وہاں حضرت ابراہیمؑ کی سات بڑی آزمائشوں کا ذکر ہے۔

۱۔ رشتۂ پدری کی قربانی۔ حضرت ابراہیمؑ کا باپ آذر بُت تراش تھا، یعنی اس زمانے کا سب سے بڑا مذہبی اور سیاسی برہمن۔ اس لئے کہ اس زمانے کے بُت تراش محض مستری اور معمار نہیں تھے بلکہ وہ مقدس ترین برہمن تھے وہ اپنی برکت اور صنعت سے معمولی پتھروں کو "دیوتا"، "معبود" اور "خدا"، بنا دیتے تھے۔ یہی لوگ تھا ان وقت کے بُت بھی بناتے تھے، یہی حضوری اُمراء ان بتوں کو خرید تے تھے، یہی حضوری

پیشوایانِ مذہب ان بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ جن حضوری پبلک ان کو پوجتی تھی۔ ہمارے زمانے میں جو قدر و عزت بڑے بڑے ٹوڈیوں کی اور وفادارانِ ازلی کی اور حکومت کی ہاں میں ہاں ملانے والوں کی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں مذہبی اور سیاسی لحاظ سے وہی قدر و عزت ان لوگوں کے لئے خاص تھی جو بادشاہوں کے بُت بناتے تھے، یا بڑی بڑی قیمتیں دے کر خریدتے تھے، یا ان کی پوجا کراتے تھے، یا خلقِ خدا کو بُت پرستی کی دعوت دیتے تھے، آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کے باپ اور خاندان کی اس وقت کس قدر عزت ہوگی؟ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے پہلا سوال یہ تھا کہ آپ کو اپنے باپ اور خاندان کا، اپنی خاندانی عزت کا اور اپنے مذہبی اور سیاسی اقتدار کا ساتھ دینا چاہیئے تھا، یا خدا کا قرآن کہتا ہے، فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ جب حضرت ابراہیمؑ پر ثابت ہوگیا کہ باپ خدا کا دشمن ہے، تو آپ باپ کے دشمن بن گئے، یہ تھی پہلی آزمائش جس میں آپ پورے اُترے۔

۲۔ **قومیت کی قربانی**۔ باپ اور خاندان سے بھی زیادہ بڑی چیز قومیت ہے، آپ دیکھئے، جرمن، انگریز، روسی، جاپانی، ہندو اپنی اپنی قوم کو دوسری اقوام پر غالب بنانے کے لئے کیا کیا قربانیاں دیتے رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے سامنے دوسرا بڑا سوال یہ تھا کہ مجھے قوم پرست بن کر زندگی بسر کرنی چاہیئے یا خدا پرست بن کر؟ آپ تمام قوم کے سامنے کھڑے ہو گئے اور ارشاد فرمایا، اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمُ الْاَقْدَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّیْٓ اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اے فرزندانِ قومیت! تم اور تمہارے اسلاف

Marfat.com

سب میرے دشمن ہیں، سوائے پروردگار عالم کے" اَنْتُمْ "، کا مطلب یہ کہ میں ان ظالم قوم پرستوں سے الگ ہوتا ہوں جو زندہ ہیں، اٰبَاؤُکُمُ الْاَقْدَمُوْنَ کا مطلب یہ کہ قوم پرستی کی تمام پہلی روایات سے بھی علیحدگی اختیار کرتا ہوں، اِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ میں ایسے خدا کے پرستار ہونے کا اعلان کرتا ہوں جو سب انسانوں کا خدا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ میں قوم پرست نہیں بلکہ خدا پرست ہوں اور میری برادری صرف میرے ہموطن نہیں ہیں بلکہ سب انسان میری برادری ہیں، یہ دوسری آزمائش تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ پورے اترے۔

۳۔ قومی معبودوں کی قربانی۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا۔ آپ نے تمام بتوں کو پرزہ پرزہ کر ڈالا۔

۴۔ بادشاہ سے بغاوت۔ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِیْ رَبِّهٖۤ اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ۔ حضرت ابراہیمؑ خدا کے معاملے میں بادشاہِ وقت سے بھی جا ٹکرائے۔ نمرود انسان تھا اور اپنے جیسے انسانوں پر حکومت کرتا تھا، حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعویٰ کیا کہ کسی انسان کو کسی دوسرے انسان پر حکومت کا حق نہیں ہے، انسان سب بھائی بھائی ہیں، اُن کو ایک جسم، ایک برادری اور ایک مساوات بن کر، صرف ایک خدا کی اطاعت کرنی چاہیے۔ یہ تیسری آزمائش تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ پورے اترے۔

۵۔ جان کی قربانی۔ جب حضرت ابراہیمؑ نے وقت کی تین بڑی طاقتوں، خاندان،

Marfat.com

قوم اور بادشاہ کے خلاف جنگ کا اعلان کر دیا تو ہر گوشے سے یہ شور بلند ہوا، اُقْتُلُوْہُ اَوْحَرِّقُوْہُ "ابراہیمؑ کو قتل کر ڈالو" "ابراہیمؑ کو آگ میں ڈال کر جلا دو" لیکن خدا پرست ابراہیمؑ ذرا بھی متزلزل نہ ہوئے، شورش کے وقت بھی متزلزل نہ ہوئے اور جب آگ میں ڈال دیئے گئے تو پھر بھی متزلزل نہ ہوئے، یہ چوتھی آزمائش تھی جس میں حضرت ابراہیمؑ پورے اُترے۔

۶۔ وطن کی قربانی۔ مملکتِ بابل کا ایک ایک ذرّہ آپ کا دشمن ہو گیا۔ باپ دشمن، خاندان دشمن، قوم دشمن، بادشاہ دشمن، لیکن آپ نے کسی بھی طاقت کی پرواہ کی۔ آپ نے سب سے منہ موڑا اور اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ، کہہ کر بابل سے نکلے اور تبلیغِ حق کے لئے مصر کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ وطن کی قربانی چوتھی آزمائش تھی، جس میں حضرت ابراہیمؑ پورے اُترے۔

۷۔ عیال و اولاد کی قربانی۔ پہلے یہ حکم دیا گیا کہ اپنی وفادار بیوی ہاجرہ کو جو مصر کی شہزادی تھیں، اپنے سے جُدا کر دو، اس پر آپ شام سے نکلے اور انہیں حجاز کے ویران مقام پر بسا آئے، پھر جب چند سال کے بعد آپ حضرت ہاجرہ کی ملاقات کے لئے وہاں گئے تو خواب میں دیکھا کہ آپ اپنے جوان بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو اللہ کی راہ میں قربان کر رہے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے رات کے خواب و خیال کو صبح اُٹھتے ہی سچ کر دکھایا۔ آپ نے ایک دفعہ بیٹے سے پوچھا، انہوں نے عرض کیا، یٰاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْشَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اے باپ! آپ

Marfat.com

خدا کا حکم پورا کریں، اگر خدا نے چاہا تو آپ مجھے ضرور صابر اور ثابت قدم دیکھیں گے
اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جوان بیٹے کو زمین پر پھینکا اور اس کی گردن پر چھری رکھ دی۔ ٹھیک اسی وقت زمین و آسمان سے ایک صدائے دردناک بلند ہوئی۔ وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَّا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا۔ اے ابراہیمؑ! ہم تم کو تمام بنی نوع انسان کا امام بناتے ہیں، تو نے خواب کو سچ کر دکھایا ہے۔

۸۔ درجہ امامت۔ اے عزیزانِ اسلام! آپ یہاں ابراہیمی زندگی کے خط و خال پر غور کیجئے، ابراہیمی زندگی کیا ہے؟ صرف قربانی اور صرف امتحان۔ بلکہ قربانیوں کا ایک سلسلہ، صبح سے شام تک قربانی، سر سے قدم تک قربانی، پیدائش سے موت تک قربانی۔ بہر حال جب باپ، خاندان، خاندانی مفاد، قومیت، وطن، اولاد وغیرہ کی قربانیاں پوری ہو چکیں تو آپ کو اقوامِ عالم کا امام بنا یا گیا۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ تعویذوں، لفظی دعاؤں اور الا اللہ کی ضربوں سے ابراہیمی امامت کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ آپ امتحان و آزمائش میں پورے نہ اتریں۔ حصولِ امامت کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے پوچھا، وَمِنْ ذُرِّيَّتِي کیا یہ امامت میری اولاد کو بھی ملے گی؟ ارشاد ہوا، لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔ یہ امامت نہ نسلی ہے، نہ خاندانی، نہ قومی، بلکہ یہ میرا عہد ہے جو ظالموں کو نہیں ملے گا، یہی عہد اُمّتِ محمدیہ سے بھی کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ نور میں ہے، وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ، یعنی جو لوگ تم میں سے ایمان

Marfat.com

لائیں گے اور نیک عمل کریں گے، اُن سے خدا کا وعدہ ہے کہ وہ انہیں زمین میں خلافت عطا فرمائے گا، لیکن جو لوگ ایمان اور عمل صالح کی شرط پوری نہ کریں گے، وہ ظالم ہونگے اُن سے درجۂ امامت چھِن جائے گا۔

۹- امامت سے محرومی- عزیزانِ اسلام! اس آیت نے آپ کی بیماری اور آپ کا جرم آپ پر واضح کر دیا ہے، یہ آیت فتویٰ دیتی ہے کہ چونکہ آپ ظالم ہیں، اس واسطے آپ ورثۂ ابراہیمی سے محروم کر دیئے گئے ہیں، قرآن کی زبان میں ظالم اُس شخص کو کہتے ہیں، جو خدا کا حق، غیر خدا کے حوالے کر دے۔ افسوس کہ آج دنیا بھر کے مسلمان اسی جرم کے مرتکب ہیں۔ آپ کو خدا نے جانیں دیں، مگر آپ انہیں غیر خدا کی راہ میں کٹا رہے ہیں۔ آپ کو خدا نے اولادیں دی ہیں، مگر آپ نے انہیں خدمتِ اغیار کے لئے وقف کر دیا ہے، آپ زکوٰتیں نہیں دیتے، مگر اغیار کے لئے چندے دیتے ہیں، آپ خدا کے لئے جہاد نہیں کرتے، مگر کفار کے لئے شب و روز قربانیاں دے رہے ہیں، یہ آپ کا سب سے بڑا ظلم ہے اسی مرکزی ظلم کے تابع آپ چار اور ظلموں کا ارتکاب کر رہے ہیں۔ پہلا ظلم جہالت، دوسرا فرقہ بندی اور تیسرا کم کوشی اور آرام طلبی اور چوتھا ناحق شناسی اور فضول خرچی۔ قرآن کا اعلان یہ تھا۔ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ حضرت ابراہیمؑ نے تم کو ایک جسم اور ایک برادری بنایا تھا اور اطاعت گذار تمہارا نام رکھا تھا مگر تم آج ہزاروں گروہوں میں بٹ گئے اور اب نہ خدا کی سنتے ہو اور نہ مسلمانوں کی۔ حنفی اور شیعہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ احرار اور خاکسار ایک دوسرے سے جُتے ہوئے ہیں۔ دیوبندی

Marfat.com

اور بریلوی دست و گریبان ہیں، لیگی اور کانگرسی ایک دوسرے کے دشمن ہیں۔ قرآن نے سب مسلمانوں کو ایک خدائی قانون اور خدائی سیاست کا غلام بنایا تھا، مگر آج تم سینکڑوں لیڈروں اور پارٹیوں کے غلام بنے ہوئے ہو، اسلام نے خون، رنگ، نسل اور قوم و قبیلہ کے امتیازی بتوں کو ریزہ ریزہ کیا تھا، مگر اب تم نے ان ریزوں کو جوڑ کر پھر قوموں اور قبیلوں کے نام پر نئی نئی انجمنوں کے بت گھڑ لئے ہیں۔ اسلام نے لَا تَفَرَّقُوا کی آواز بلند کی تھی، مگر تم نے حنفی، شیعہ، اہلحدیث کے نام پر سینکڑوں مذہبی فرقے کھڑے کر رکھے ہیں۔ اور اب خود مسلمان ہی مسلمانوں کو کافر ثابت کر رہے ہیں۔ مسلمانو! اچھی طرح سمجھ لو کہ تمہاری موجودہ سیاسی اور مذہبی دھڑہ بندیاں تمہارے تنزل اور محروم ہونے کا سب سے بڑا نشان ہیں۔ خدا کے لئے فرقہ بندی کے جال سے نکلو، صحیح اتحاد اور علمِ قرآن حاصل کرو، مخلص بنو، اپنی تنظیم کرو، صنعت و تجارت میں حصّہ لو، تربیت اولاد کی طرف توجّہ دو، اور ایک دوسرے کے یار و مددگار بن جاؤ، پھر ضرور، خدا کی رحمت کے حقدار بن جاؤ گے۔

Marfat.com

خطبہ سوم

ابراہیمی اسلام کی حقیقت

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو کہا، اے ابراہیمؑ! میرا حکم مان لے، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی وقت جواب دیا، اے اللہ! میں نے حکم مان لیا۔ نظامِ اسلام حضرت ابراہیمؑ کے اسی جواب کا نتیجہ ہے، پس ابراہیمی

پورے اسلام کی اطاعت

اسلام یہ ہے کہ تم حکم کے بندے بن جاؤ۔ اللہ کا نظام قائم کرنے کے لئے اپنی خواہشات کو قربان کر دو۔ اپنی محبتوں کو قربان کر دو، اپنی دشمنیوں کو قربان کر دو اور صرف ایک اللہ کے حکم میں بندھ جاؤ۔

ابراہیمی اسلام یہ ہے کہ تم ایک مُردہ لاش کی طرح، اپنی زندگی، احکامِ الٰہی کے حوالے کر دو، ابراہیمی اسلام یہ ہے کہ تمہارے ہاتھ اور پاؤں، تمہاری آنکھیں اور زبان تمہارا دل اور دماغ، تمہارے جسم کا ایک ایک ذرہ اور تمہارے لہو کی ایک ایک بوند احکامِ خداوندی میں بندھ جائے، اس طرح بندھ جائے کہ حکمِ الٰہی کے خلاف نہ تمہارا قدم اٹھے

Marfat.com

نہ لب کھلے، نہ آنکھ جھپکے، نہ سانس چلے اور نہ دل دھڑکے۔ ابراہیمی اصول کے مطابق سچا مسلمان وہ ہے جو حکمِ الٰہی کا قیدی ہو، سچا مسلمان وہ ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نشانِ قدم سے بندھا ہوا ہو۔ سچا مسلمان وہ ہے جو نظامِ اسلام کا پابند ہو، اور اگر یہ نظام ٹوٹ بھی جائے تو وہ اکیلا اس نظام کے احکام کی پابندی کرتا چلا جائے۔ آپ مسواک کرنے کو اور سرمہ لگانے کو کس قدر چھوٹی اور معمولی چیز خیال کریں گے؟ لیکن اگر اللہ اور رسولؐ انہی پر زور دے دیں اور حکم فرمائیں تو پھر مسواک کرنا اور سرمہ لگانا بھی ہم پر اسی طرح فرض ہو گا، جس طرح خود نماز فرض ہے، اس لئے کہ صرف نماز یا روزہ اسلام کی جڑ اور بنیاد نہیں ہے۔ اسلام کی جڑ "حکم" ہے اور اسلام کی بنیاد دلی جوش کے ساتھ حکم کا مان لینا ہے۔ اگر خدا کی طرف سے اولاد کی پرورش کا حکم ہو، تو ایک مسلمان کا فرض یہ ہے کہ اپنے بچوں کو ناز سے پالے، لیکن اگر قتل کا حکم آ جائے تو پھر اولاد کی پرورش ہی کی طرح ایک مسلمان کا پہلا فرض یہ ہو گا کہ وہ اپنی سب سے پہلی فرصت میں، اپنی اولاد کو قتل کر دے۔

میں یہاں اسلام کو پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی پیش کرتا ہوں، یہاں ہزارہا مسلمان ایسے ہوں گے، جو صرف نام کے مسلمان ہیں، وہ احکام کے پابند نہیں ہیں، بلکہ صرف اپنے فائدوں کے پابند ہیں اور اپنی خواہشات کے غلام ہیں۔ شریعت کا جو حکم بظاہر مشکل ہوا یا ان کے فائدوں کے خلاف ہو، وہ اس کی بالکل پروا نہیں کرتے، اسی طرح بعض مسلمان ایسے ہیں جو نماز اور روزہ کے پابند ہیں اور سمجھتے ہیں کہ کلمۂ شہادت پڑھ لیا، تو وہ شریف

Marfat.com

پڑھ لیا، نماز پڑھ لی اور روزے رکھ لئے، اب ہم فارغ ہیں، دین کا حق ادا ہو گیا، حالانکہ جس حقیقت کا نام اسلام ہے وہ دس بیس یا سو پچاس حکموں کا نام نہیں ہے، بلکہ اسلام صرف "حکم کی تعمیل" کا اور "نظام کی پابندی" کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ آپ ہزار حکم مانیں مگر ایک سے انکار کر دیں، اسلام اسی وقت ختم ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے فرض کیجئے، ایک فوجی سپاہی دس ہزار مرتبہ دشمنوں سے لڑتا ہے، لیکن اگر صرف ایک ہی مرتبہ وہ گولی چلا دینے سے انکار کر دے تو کیا وہ وفادار کہلا سکتا ہے؟ اسی طرح شیطان کی مثال ہے، اس کے ہزار ہا سال رکوع و سجود میں گذر گئے، لیکن صرف ایک حکم کے انکار نے اس کی ساری عبادتیں برباد کر دیں۔ اسی طرح بنی اسرائیل کا حال ہے۔ ستر ہزار اسرائیلیوں نے اپنے بادشاہ طالوت کے ساتھ مل کر جالوت پر چڑھائی کی تھی۔ راستے میں ایک نہر آگئی، طالوت نے کہا، میرا ساتھی وہ ہے، جو ایک چلّو سے زیادہ پانی نہ پیئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین سو ستر کے سوا تمام لشکری مقدار سے زیادہ پانی پی گئے اور اسی وقت ردّ کر دیئے گئے۔ تم عذر لا سکتے ہو کہ یہ لوگ توحید کے منکر نہیں تھے۔ حضرت موسیٰؑ اور شمعونؑ کی نبوّت کے منکر نہیں تھے، نماز اور روزہ کے منکر نہیں تھے، پھر ایک چلّو سے زیادہ پانی پینے پر کیوں ردّ کر دیئے گئے؟ میں کہتا ہوں اور اس پر قرآن گواہ ہے کہ صرف ایک چلّو پانی پینے کے جرم میں ایمان کے رجسٹر سے ان کا نام کٹ گیا، اس لئے کٹ گیا کہ انہوں نے حکم کے خلاف پانی پیا تھا۔ یہ پانی کے چند گھونٹوں کا سوال نہیں تھا، بلکہ عدول حکمی کا سوال تھا۔ یاد رکھو کہ اگر کوئی شخص ایک ذرہ بھر بھی راہِ خدا

Marfat.com

سے انکار کرتا ہے تو اس کا اسلام خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ پس اسلام کی بنیاد یہ ہے کہ تم اللہ کے حکموں کی ایک ایک بات کی تعمیل کرو اور اس امر کو ہرگز نہ بھولو کہ اللہ تعالےٰ کا کوئی حکم بھی چھوٹا اور حقیر نہیں ہے۔ اگر تم کو خدا حکم دیتا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو اور تم یہ کہہ دو، ہم اونچی رکھیں گے تو خدا کی قسم! صرف اتنا کہہ دینے سے تم کبھی سچے مسلمان نہیں رہ سکتے۔

اطاعتِ حکم کا نمونہ

برادرانِ ملت! آئیے اب تاریخ سے پوچھیں، مسلمان کس طرح اللہ کی اطاعت کر گئے؟ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہوا، اپنی بیوی حضرت ہاجرہؑ اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو لے جاؤ اور کسی اجاڑ میں بسا دو۔ حکم ملتے ہی آپ ان دونوں کو لے جاتے ہیں اور کنکروں کے ایک ایسے ڈھیر میں چھوڑ آتے ہیں، جہاں گھاس کی ایک پتی اور پانی کی ایک بوند تک موجود نہ تھی۔ یہ تھی حکمِ خدا کی پابندی۔ اب آگے چلئے۔

جب حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں ارشاد ہوا، اے ابراہیمؑ! اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ آپ اسی وقت اپنے جوان بیٹے کو گھٹنوں میں دبا کر بیٹھ گئے اور آنکھیں بند کر کے چھری چلا دی۔ یہ تھی حکم کی پابندی۔ اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کو دیکھئے۔

ایک دفعہ مدینہ منورہ میں حضورؐ کی زندگی بہت خطرے میں تھی اور رات کو حضورؐ کے دروازے پر پہرے کھڑے رہتے تھے کہ جبریلؑ نے پیغام دیا، وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ

لے پیغمبرؐ! اللہ تمہارا نگہبان ہے۔ آپ نے اسی وقت خیمے سے سر نکال کر ارشاد فرمایا پہرے واپس کر دو، میری حفاظت کا انتظام ہو گیا ہے۔ یہ تھی حکم کی پابندی۔ اب اور آگے چلئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ مسلمان مدینہ منورہ میں تیرہ چودہ سال سے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ عصر کے وقت یہ حکم آیا کہ نمازیں بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف منہ کیا جائے۔ مسجد نبوی میں تو عصر کے وقت اس حکم کی تعمیل ہو گئی۔ مگر مدینہ کی دوسری مسجدوں میں یہ اطلاع نہ ہوئی۔ مدینہ کی ایک مسجد میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جا رہی تھی کہ مسجد نبوی کا ایک نمازی بھی وہاں پہنچ گیا۔ اور پکار کر کہنے لگا، خدا کی قسم! رسول اللہؐ نے ابھی خانہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ اس آواز کا بلند ہونا تھا کہ نماز پڑھتے ہوئے تمام نمازی گھوم گئے اور جماعت کا منہ قبلے کی طرف پھر گیا۔ یہ ہوتی ہے حکم کی پابندی۔ ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مہر کے لئے سونے کی انگوٹھی بنوائی۔ صحابہ کرامؓ نے جب حضورؐ کی انگوٹھی دیکھی تو خود بھی سونے کی انگوٹھیاں بنوا لیں۔ ایک دن حضورؐ منبر پر کھڑے ہوئے اور اپنی انگوٹھی اتار کر فرمایا، مسلمانو! اب میں یہ انگوٹھی نہیں پہنوں گا۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہؓ نے اپنی انگوٹھیاں اتار کر اسی وقت الگ پھینک دیں۔ جنگِ اُحد میں ایک مسلمان کھجوریں کھا رہا تھا، وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آیا اور پوچھنے لگا:۔ یا رسول اللہ! اگر میں مارا گیا تو کہاں ہوں گا؟ حضورؐ نے فرمایا "تم جنت میں ہو گے"۔ یہ سنتے ہی اس آدمی نے کھجوریں پھینک دیں اور کہا۔ کھجوریں ختم ہونے کا کون انتظار کرے؟ پھر وہ لی جوش

سے کفار پر ٹوٹ پڑا اور اسی دم شہید ہو گیا۔

برادرانِ اسلام! آپ سمجھے، یہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حق۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا ادۡخُلُوۡا فِی السِّلۡمِ کَآفَّۃً۔ اے مسلمانو! کامل طور پر اللہ کے فرماں بردار بن جاؤ، قرآنِ حکیم اور حدیثِ نبوی کے احکام پڑھو اور ایک ایک ذرّے اور ایک ایک بال کی اطاعت کرو اور ایک ایک حکم کی اطاعت کرو۔ جب تک تم اسی طرح شریعت کے تمام حکموں کی پابندی نہ کرو گے، تم اسلام کے کمال کو کبھی حاصل نہیں کر سکتے۔

احکامِ شریعتِ الٰہی

برادرانِ اسلام! آپ نے سن لیا کہ حکمِ الٰہی کے ماننے کا نام ہی اسلام ہے۔ اب میں چند احکام بیان کرتا ہوں تاکہ آپ ان حکموں پر کاربند ہو کر سچے مسلمان بن سکیں۔ اے بھائیو! تمہارا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ کہ پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز ادا کرو۔ حلال طریقے سے روزی حاصل کرو، ہمیشہ سچ بولو۔ جب اللہ کے لئے گواہی دو تو صاف صاف اور سچی گواہی دو، خواہ تمہارے باپ کے خلاف ہو، عدل کرو، پورا تولو، اپنے جھگڑے اسلامی برادری میں بیٹھ کر طے کرو۔ جب دو مسلمانوں میں نفاق ہو، تو صلح کرادو اور اگر ایک فریق ظلم کرے تو مظلوم کا ساتھ دو، یہاں تک کہ ظالم جھک جائے اور مظلوم کا حق مل جائے۔ مسلمانو! تمہارا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنی اولاد کو تعلیم دلاؤ، ادب سکھاؤ اور پاکبازی، سچائی اور سادگی کی تلقین کرو۔ مسلمانو! اللہ کا حکم یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کا ادب کرو، اپنی بیویوں

Marfat.com

کو خوش رکھو اور ان کا حق ادا کرو، اپنی لڑکیوں کو حصّہ دو، اپنے عزیزوں پر احسان کرو اور غریب، یتیم، بیوہ عورت اور پڑوسی، مسافر، مہمان اور بیمار سب سے نیک برتاؤ رکھو۔ اے مسلمانو! تمہیں غریبی اور نااتفاقی نے برباد کر دیا ہے۔ اللہ کا حکم یہ ہے کہ فضول خرچی نہ کرو، شیطان کے بھائی نہ بنو، سود نہ لو، سود نہ دو، قرض سے بچو، شراب، زنا، جوا، رشوت اور فساد کے قریب نہ جاؤ اور اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو کہ طمع، غرور اور جھوٹ فساد کی جڑ ہیں۔ پس ان کی بربادیوں سے بچے رہو۔ صراطِ مستقیم پر چلو، برائی سے خود رُکے رہو اور دوسروں کو روکو، نیکی کو جگاؤ اور پھیلاؤ، اپنا ظاہر اور باطن ایک رکھو، اللہ سے ڈرو اور سچے مسلمان بن جاؤ۔ برادرانِ اسلام! اللہ تعالیٰ کا حکم تھا، وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا، اے مسلمانو! اللہ کی رسی کو سب مسلمان اتفاق کر کے پکڑ لو اور الگ الگ فرقے نہ بن جاؤ، مگر آج ہم مسلمان ہی سب قوموں سے زیادہ نااتفاقی میں مبتلا ہیں ہم ایک دوسرے کے دشمن بن گئے ہیں ہم نے اسلامی برادری کے حق کو بھلا دیا ہے، رسول اللہ نے ہم کو ایک قوم اور ایک برادری کی زندگی بسر کرنے کی تعلیم دی، لیکن ہم نے اس تعلیم کو پس پشت ڈال دیا۔ اے فرزندانِ اسلام! اپنی حالت پر رحم کرو اور ایک خدا کے بندے اور ایک رسول کی اُمت ہونے کی حیثیت سے آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

Marfat.com

خطبۂ چہارم

عیدِ فطر یا قربان کا پیغام

اسلامی عید کی اساس اور ساخت

خدا کا دین ساری دنیا کے دینوں سے سچا اور اچھا ہے، اس لئے اسلام کی عید بھی تمام دنیا کی عیدوں سے اچھی اور سچی عید ہے۔ غیر قوموں نے کسی پُر بہار موسم کو، کسی جنگی فتح کو یا کسی قومی لیڈر کے یوم پیدائش کو اپنی عید مقرر کیا ہے مگر اسلام نے ایسا نہیں کیا۔ اسلام کے اصول ساری دنیا کے لئے ہیں۔ اگر اسلام کسی خاص موسم کو اپنی عید قرار دیتا، تو وہ تمام ملک جہاں اُس وقت یہ موسم نہ ہوتا، اس کی عید میں شامل نہ ہو سکتے۔ اگر اسلام کسی جنگی فتح کو اپنی عید قرار دیتا تو وہ قوم جس نے شکست کھائی ہوتی، کبھی اسلام کی عید میں شامل نہ ہو سکتی۔ اگر اسلام کسی لیڈر کے یوم پیدائش کو اپنی عید قرار دیتا تو وہ قوم، جو اُس کے لیڈر کو اپنا لیڈر نہ سمجھتی، کبھی اس کا ساتھ نہ دے سکتی۔ لہٰذا اسلام نے زندگی کی چند عظیم الشان نیکیوں اور اچھائیوں کو جو انسانیت کی بنیاد ہیں، اپنی عید قرار دیا ہے۔ دنیا کے لوگ شخصوں، موسموں اور جنگی فتحوں سے اختلاف کر سکتے ہیں، مگر عزت اور نیکی کے کاموں سے اختلاف نہیں کر سکتے۔ اسلام کی سچائی کی ایک بڑی

Marfat.com

دلیل یہ ہے کہ اس نے نوعِ انسان کی عالمگیر خوشی کے لئے ایک ایسی درمیانی شے بہم پہنچا دی جس پر تمام دُنیا کا اتفاق ہو سکتا ہے۔

برادرانِ اسلام! آپ غور فرمائیں کہ وہ کیا کیا اعمال ہیں، جن سے اسلام کی عید مرکب ہے؟ اسلامی عید یہ ہے کہ اوّل آپ صبح سویرے اُٹھتے ہیں اور غسل کر کے پاکیزہ لباس پہنتے ہیں۔ دوم، فوج در فوج تکبیر کہتے ہوئے عید گاہوں میں جمع ہوتے ہیں۔ سوم، آپ مل کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اور حضرت ابراہیمؑ کا ذکر پاک سُنتے ہیں۔ چہارم، صفائی، اجتماع اور عبادات کے بعد آپ قربانی اور خیرات میں مصروف ہوتے ہیں۔ بس انہی چار دل شریفانہ اعمال کا نام اسلامی عید ہے۔ آیئے، اب دوسری قوموں کی عیدوں پر نظر کریں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ جب بڑا دن ہوتا ہے تو دنیا شراب خوری اور راگ رنگ سے بھرپور ہو جاتی ہے۔ جب ہولی ہوتی ہے تو بچے اور بوڑھے اس بے تمیزی سے ایک دوسرے پر رنگ پھینکتے ہیں کہ شکلیں بگڑ جاتی ہیں۔ دیوالی ہو تو جوا کھیلا جاتا ہے۔ غیر اقوام انہی تماشوں اور اسی ہاؤ ہو کو اپنی عید سمجھتی ہیں۔ اگر آپ ان عیدوں میں اخوت، مساوات، عبادات، خوش ذوقی، جوشِ حیات، تنظیم و اتحاد، محبت، خیرات و فیاضی اور جسمانی صفائی کی تلاش کریں، تو آپ کو وہاں یہ چیزیں نہیں ملیں گی۔ پھر سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ کسی قوم کی عید بھی متحدہ عید نہیں ہے بلکہ ہر فرقہ اور ہر ملک کے تیوہار علیحدہ علیحدہ ہیں۔ جنوبی ہند کے تیوہار الگ ہیں، شمالی ہند کے الگ ہیں۔ کسی مذہب کے پاس ایک بھی تیوہار ایسا نہیں جو عید ہو۔ کہ طرح قطب شمالی سے قطب جنوبی تک تمام ممالک میں عبادت

Marfat.com

فیاضی، اتحاد و اخوت جسمانی پاکیزگی اور ایثار و قربانی کی ایک عالمگیر لہر پیدا کر دے۔
الحمدللہ کہ یہ خوبی اسلام کی عید میں ہے۔

طہارت، صفائی، سادگی برادرانِ ملت! آیئے اب عید ضحیٰ کے مختلف پیغامات پر غور کریں۔ عید اضحیٰ نے پہلا پیغام یہ دیا کہ آپ بر صبح اُٹھیئے اور غسل کر کے پاک صاف لباس سے آراستہ ہو جایئے۔ ہندو دھرم اور عیسائیت کے جوگیوں اور راہبوں کا عقیدہ یہ تھا کہ جسمانی صفائی دینداری کے خلاف ہے، وہ اپنے جسموں پر مٹی ملتے ہیں، غسل کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں۔ وحشیوں کی طرح بال اور ناخن بڑھا لیتے ہیں اور اسی غلیظ زندگی کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اسلام نے دنیا میں آکر یہ تمام باطل خیالات ختم کر دیئے۔ اس نے کہا، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ۔
اے لوگو! خدا انہی لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اپنے جسم اور لباس کو پاک اور صاف رکھیں۔ پیغمبرِ اسلام نے خود پاک اور صاف رہ کر دنیا کے سامنے عملی مثال پیش کر دی ہے، ہمارے رسول مقبول نے اپنے دین اور عبادت کی بنیاد پاکیزگی اور صفائی پر رکھی۔
آج عید کے دن غسل کرنا، مسواک کرنا، عمامہ باندھنا، اچھا لباس پہننا، خوشبو لگانا، رسول اللہ کی سنت ہے۔ حضور سرورِ دو عالم کو خوشبو سے بہت محبت تھی۔ حضرت انس کے گھر میں حمام تھا۔ حضرت ابو سعید پر نزع کا وقت آیا تو آپ نے اس وقت بھی اپنا لباس تبدیل فرمایا اور نئے کپڑے پہنے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری سے حضور نے فرمایا تھا، اپنے بالوں کو کنگھی کرو اور گرد و غبار سے بچائے رکھو۔ امام

Marfat.com

بخاری نے باب باندھا ہے، لَا تُقْبَلُ صَلٰوۃٌ بِغَیْرِ طُھُوْرٍ (جسم و لباس کی پاکیزگی وضو) کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی۔ حضرت عثمانؓ ہر روز نہایا کرتے تھے۔

برادرانِ ملت! آپ ان احکام کا منشا سمجھے؟ شریعتِ حقہ نے آپ کے سامنے زندگی اور ترقی کا بہت بڑا اصول پیش کیا ہے۔ ایسا اصول جس کے سامنے آج ساری دنیا جھک گئی ہے۔ یورپین اقوام جو کل تک ننگی رہتی تھیں اور کھالیں پہنتی تھیں۔ آج صنعت و حرفت، تجارت و تمدن میں اسی اصولِ صفائی کے باعث تمام دنیا پر غالب آ رہی ہیں یہ یورپ کی فتح نہیں، اصولِ اسلام کی فتح ہے، وہ اصول یہ ہے کہ آپ لباس میں، جسم میں، رہنے سہنے میں، تجارت میں، صنعت و حرفت میں، دکانداری میں، غرضیکہ زندگی کے ہر ایک کام میں پاکیزگی اور صفائی کا لحاظ رکھیں، مائیں بچوں کو صفائی کا سبق یاد کرائیں، تاجر، دست کار، حکیم اور مصنف دنیا کے سامنے ایسی چیزیں پیش کریں جو عمدگی اور صفائی کا نمونہ ہوں۔ بہرحال عید کا پہلا سبق صفائی ہے، جب آپ زندگی کے ہر ایک کام میں صفائی کا لحاظ رکھیں گے تو آپ کی ساری زندگی عید بن جائے گی۔

لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھیئے کہ اسلام تکلف، فضول خرچی اور فیشن کے خلاف ہے۔ اسلام ایسے بناؤ سنگار کو پسند نہیں کرتا جس سے بدکاری بڑھے اور مسلمانوں میں آرام طلبی اور عیش و عشرت کے جذبات پیدا ہوں، پیغمبرِ اسلام نے مسلمان مردوں کو ریشم اور سونا پہننے کی اجازت نہیں دی تاکہ وہ بانکپن کی پستی اور زنانہ پن میں غرق نہ ہو جائیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مقدس و مطہر اور صفائی پسند

کون ہو سکتا ہے ؟ تاہم حضورؐ اپنا تمام کام وبار اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے۔ حضورؐ اپنے ہاتھ سے مویشیوں کو چارہ ڈالتے، بکریاں دوہتے، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے اور ان میں اپنے ہاتھ سے پیوند لگاتے، اپنے ہاتھ سے جوتے گانٹھتے، گھر میں جھاڑو دیتے اور بازار سے سودا خرید کر اٹھا لاتے۔ صحابہ کرامؓ کی عادت مبارک بھی یہی تھی، وہ ہمیشہ کام کے لئے مستعد رہتے تھے اور کوئی کام خواہ کس قدر بھی چھوٹا ہو، اُسے عزت کی نظر سے دیکھتے تھے، حضرت عثمانؓ اپنے اونٹوں کے لئے خود پتیاں جھاڑ لیتے تھے۔ (ابوداؤد)

حضرت سلمانؓ فارسی مدائن کے گورنر تھے، مگر چٹائی بُن کر روزی کماتے تھے (استیعاب)

حضرت فاطمہؓ خود چکی پیستی تھیں اور کندھے پر مشک اٹھاتی تھیں۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیٹی اسماءؓ کی حضرت زبیرؓ سے شادی ہوئی تھی، آپ اُن کے گھوڑے کے لئے گھاس لاد کر لاتی تھیں۔ مدینہ سے تین فرسخ دور اُن کی زمین تھی، وہاں سے کھجوروں کی گٹھلیاں اپنے سر پر اُٹھا لاتی تھیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن اپنے اہل و عیال کے لئے بازار سے کھجوریں خریدیں اور گٹھڑی اٹھائے گھر کی طرف چل دیئے۔ پاس سے ایک شخص نے کہا، اے امیر المومنین! میں اٹھا لیتا ہوں، فرمایا، بچوں کا باپ زیادہ حق دار ہے کہ وہ یہ بوجھ اٹھائے۔ (ادب المفرد) ایک دن سخت لُو چل رہی تھی۔ زمین آگ کی طرح گرم تھی حضرت عثمانؓ نے اتفاق سے نظر اٹھائی تو دیکھا کہ خلیفہ اسلام حضرت عمر فاروقؓ دو اونٹوں کو ہانکتے ہوئے باہر لئے جا رہے ہیں۔ پوچھا، اے امیر المومنین! آپ اس وقت کیوں گھر

سے نکلے؟ فرمایا، صدقے کے دو اونٹ چھوٹ گئے تھے، مَیں نے خیال کیا کہ انہیں چراگاہ تک پہنچا آؤں۔ (الفاروق)

ایک دن حضرت عمرؓ صدقے کے اونٹوں کو تیل مَل رہے تھے، پاس سے ایک شخص نے کہا، امیرالمومنین! آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں؟ کوئی غلام یہ کام کر دیتا۔ آپ نے فرمایا، عمرؓ سے بڑھ کر اور کون غلام ہے جو شخص مسلمانوں کا والی ہو وہی ان کا غلام ہے۔ (کنزالعمال)

ایک مسلمان نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مصافحہ کیا۔ حضورؐ نے دریافت فرمایا تمہارے ہاتھوں پہ یہ سخت نشان کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا، یا رسول اللہ! مَیں پتھر پہ پھاوڑا چلا کر اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کماتا ہوں۔ حضرت رحمۃ للعالمینؐ بے حد خوش ہوئے اور حضورؐ نے اس بدوی کے دونوں ہاتھ چوم لئے۔ (اسد الغابہ)

ایک دفعہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم فقر و فاقہ میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت علیؓ کو معلوم ہُوا تو آپ اسی وقت مزدوری کرنے کے لئے ایک یہودی کے باغ میں چلے گئے۔ یہودی نے ایک ڈول پانی نکالنے کے عوض ایک کھجور دینے کا وعدہ کیا۔ حضرت علیؓ نے سترہ ڈول نکال کر سترہ کھجوریں حاصل کیں اور بخوشی خوشی لائے اور رسول اللہ کی خدمت میں پیش کر دیں۔ (ابن ماجہ)

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف، حضرت سعدؓ کے بھائی بنائے گئے۔ حضرت سعدؓ نے اپنا نصف مال اُن کے پیش کر دیا مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ کی غیرت نے قبول نہ کیا کہ اپنے

Marfat.com

انصاری بھائی کی کمائی پہ زندگی بسر کریں۔ آپ نے فرمایا، بھائی! یہ مال آپ کو مبارک رہے۔ مجھے صرف بازار کا راستہ دکھا دو اور وہاں گھی اور پنیر کی تجارت شروع کر دی۔ حضرت عبدالرحمٰن کی اس جوانمردی کا نتیجہ بھی دیکھیے۔ آپ دنوں میں دولتمند ہو گئے۔ جب سورۂ برأت نازل ہوئی تو آپ نے چار ہزار درہم خیرات کیے۔ پھر چالیس چالیس ہزار دینار خیرات کیے، ایک جہاد میں مسلمانوں کو ۵۰۰ گھوڑے اور ۵۰۰ اونٹ چندے میں دیئے۔ ایک دفعہ آپ کا تجارتی قافلہ مدینہ میں آیا، سات سو اونٹوں پر صرف گیہوں، آٹا اور کھانے کی چیزیں لدی ہوئی تھیں۔ حضرت عائشہؓ نے اس وقت آپ کو کثرتِ دولت کے متعلق رسول اللہ کا فرمان یاد دلایا۔ آپ پر اس قدر اثر ہوا کہ آپ نے اسی وقت پورا قافلہ، سامان، اسباب، اونٹوں اور کجاووں سمیت راہِ خدا میں لٹا دیا۔ نزع کا وقت آیا تو آپ نے پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے خیرات کیے۔ رسول اللہ کے ایک سو صحابۂ بدر میں سے ہر ایک کو چار چار ہزار دینار دیئے۔ چار لاکھ درہم کا باغ ازواجِ مطہرات کے لیے وقف فرمایا اور باقی دولت جو وارثوں میں تقسیم ہوئی، ۲۵۰۰ لاکھ ۶۰ ہزار دینار سے بھی زیادہ تھی۔ (اسوۂ صحابہ)

عزیز بھائیو! یہ ہے سچے مسلمانوں کی زندگی۔ آپ کا دین آپ کو یہ حکم دیتا ہے کہ آپ جوانمردی کے ساتھ سادگی، صفائی اور محنت و مشقت کی زندگی بسر کریں اور کام کو کبھی حقیر نہ سمجھیں۔ یہ آپ کی عید کا پہلا پیغام ہے۔

اتحاد، اصلاح۔ اجتماع | برادرانِ اسلام! عید کا دوسرا پیغام "اتحاد و اجتماع" ہے

اتحاد و اجتماع کے یہ معنی ہیں کہ جس طرح آپ نماز عید کے لئے آبادی کے چاروں گوشوں سے سمٹ کر عیدگاہ میں جمع ہوتے ہیں، اسی طرح آپ کا فرض ہے کہ جب بھی کوئی دینی یا دنیوی کام پیش آئے، آپ سب کے سب اسی طرح جمع ہو جائیں۔ افسوس کہ آج مسلمانوں کا کوئی محلہ، بازار، برادری، انجمن اور مسجد ایسی نہ ہوگی، جو نااتفاقی یا مقدمہ بازی میں گرفتار نہ ہو۔ اے بھائیو! "اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ" قرآن کریم نے تمہیں بھائی بھائی بنایا ہے اور آج اسی موقعہ پر رسول مقبولؐ نے تمہیں وصیت فرمائی تھی۔ اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَاَمْوَالَکُمْ وَاَعْرَاضَکُمْ حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَہْرِکُمْ ھٰذَا۔ یعنی اے مسلمانو! تم پر اپنے مسلمان بھائی کا خون، مال، اور عزت اسی طرح حرام ہے، جس طرح کہ تم آج اس مبارک دن کی اور مبارک مہینے کی عزت کرتے ہو۔ اے برادران اسلام! آپ اپنے رسول مقبولؐ کے اس پیغام کی عزت کریں۔ اے برادران اسلام! آپ اپنے رسول مقبولؐ کے اس پیغام کی عزت کریں اور اپنے ہاتھوں اور زبان سے کبھی اپنے مسلمان بھائی کو نقصان نہ پہنچائیں۔

برادران ملت! اگر کسی وقت مسلمانوں میں بگاڑ پیدا ہو جائے تو ایسے موقع پر خدا تمہیں حکم دیتا ہے، فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ۔ اپنے بھائیوں کے درمیان انصاف کے ساتھ صلح کرا دو اور اگر کوئی فریق ظلم سے باز نہ آئے تو مظلوم کا ساتھ دو، یہاں تک کہ ظالم جھک جائے اور عدل کی آواز قائم ہو جائے۔ اگر ہر ایک شہر اور محلے کے معزز مسلمان اس اصول پر کھڑے ہو جائیں تو کبھی کسی طاقتور کو جرأت نہ ہو کہ وہ غریب کو ستائے۔

Marfat.com

برادرانِ اسلام اصحابہ کرام کی بڑی شان یہ تھی کہ وہ نفاق و نزاع سے بہت پرہیز کرتے تھے اور اپنے دلوں کو ہر وقت انصاف اور سچائی پر قائم رکھتے تھے۔ ابو وائل فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کے چیف جج حضرت سلمانؓ فارسی کی عدالت میں برابر چالیس دن تک جاتا رہا۔ میں نے دیکھا کہ اس مدت میں ایک بھی مسلمان نے دوسرے مسلمان پر دعوے نہیں کیا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں خانہ جنگی شروع ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا اے امیرالمومنین! آپ کیوں میدان میں نہیں نکلتے؟ آپ نے فرمایا، مجھ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ رسول اللہ کا خلیفہ بنوں اور خود ہی آپ کی اُمت کا خون بہاؤں۔ (مسند ابن حنبل)

حضرت زبیرؓ اور حجاج کے درمیان لڑائی شروع ہوئی۔ دو شخصوں نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کہا، آپ کیوں تلوار نہیں اُٹھاتے؟ فرمایا، اس لئے کہ خدا نے مسلمان بھائی کا خون حرام کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ خدا تو فرماتا ہے، فَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ۔ یعنی ان سے لڑو، یہاں تک کہ فساد مٹ جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا! ہم نے کافروں سے لڑائی کی، یہاں تک کہ فتنہ مٹ گیا اور دین خدا کا ہو گیا، لیکن اب تم مسلمانوں سے لڑتے ہو کہ فتنہ بڑھے اور دین خدا کے سوا دوسرے کا ہو جائے۔

(بخاری کتاب التفسیر) حضرت اسامہؓ بن زید نے ایک لڑائی میں ایک کافر پر تلوار اٹھائی، مگر اُس نے فوراً ہی کلمہ شہادت پڑھ دیا۔ حضرت اسامہؓ کا ہاتھ نہیں رُکا، تلوار چل گئی اور وہ شخص گھائل ہو کر زمین پر گر پڑا۔ رسول اللہ کو اس واقعہ کی خبر ہوئی، تو آپ کو بے حد صدمہ اور افسوس ہوا، آپ واقعہ قتل کو سُن کر گھبرا گئے اور نہایت غمگین اور

متاسف ہوئے۔ حضرت اسامہؓ ہر چند عذر کرتے تھے، لیکن حضرت رحمۃ للعالمینؐ انہیں یہی فرماتے تھے۔ اسامہؓ تم قیامت کے دن اس کے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا کیا جواب دو گے؟ (مسلم کتاب الایمان)۔ بھائیو! اگر آپکے دل میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کا لحاظ ہو، تو ناممکن ہے کہ آپ کسی دوسرے مسلمان کے مال وجان اور آبرو کو نقصان پہنچائیں۔

برادرانِ اسلام! ان تمام روایات کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کا دوسرا بڑا رکن یہ ہے کہ آپ سب کے سب مسلمان، ایک جسم اور ایک جماعت بن کر زندگی بسر کریں۔ عید کا اجتماع، قوم کی اسی جماعتی زندگی کا ایک نمونہ ہے اور یہی عید الضحیٰ کا دوسرا پیغام ہے۔

تنظیم ملتِ اسلامیہ برادرانِ اسلام! عید الضحیٰ کا تیسرا فرض جو آپنے ادا فرمایا، یہ ہے کہ آپنے تمام مسلمانوں کے ساتھ صفیں باندھیں، قبلہ کی طرف رُخ کیا اور ایک امام کے پیچھے نماز پڑھی۔ اسلام چاہتا ہے کہ جس طرح آج عیدگاہ میں آپنے جماعت کے ساتھ نماز ادا کی ہے، اُسی طرح آپ سب کے سب اپنے محلہ میں پانچ وقت جماعت کے ساتھ نماز ادا کریں۔

برادرانِ ملت! آج مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ قوم کی تنظیم ہو جائے اگر مسلمانوں کے دل کھوٹ، نفاق، خودغرضی اور نفسانیت سے پاک ہو جائیں تو قوم کی ۲۴ گھنٹوں میں تنظیم ہو سکتی ہے۔ دلوں کے درمیان ہزار لئے نفس ایک پردۂ نفاق ہے اگر یہ پردہ اُٹھ جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ دل ایک نہ ہوں۔ اصل سوال یہ ہے کہ مسلمانوں

کے دل نفس و ہوا سے کس طرح پاک ہوں ؟ یاد رکھو، اس کا واحد ذریعہ خدا کی یاد ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب۔ دلوں کے لئے خدا تعالیٰ نے اطمینان کی ایک حالت مقرر کی ہے اور یہ حالت صرف اللہ ہی کی یاد سے پیدا ہو سکتی ہے۔ پس مسئلہ تنظیم کا حقیقی حل یہ ہے کہ مسلمان فرمانِ شریعت کے مطابق اپنے نظامِ عبادت کو صحیح کر لیں۔ حدیث مبارک سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔ حضور سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، مَنْ یُّصْلِحْ مَا بَیْنَہٗ وَ مَا بَیْنَ اللّٰہِ یَکْفِہِ اللّٰہُ مَا بَیْنَہٗ وَ بَیْنَ النَّاسِ۔ یعنی جو شخص اپنا اور اپنے خدا کا معاملہ صحیح کر لے، خداوند پاک اس کے اور دوسرے لوگوں کے معاملات خود درست فرما دیتا ہے۔ نظامِ عبادت کی درستی یہ ہے کہ آپ اپنی مساجد کا نظام درست کر لیں، خانہ کعبہ آپ کے دینی نظام کا مرکزی دفتر ہے۔ حکم یہ ہے کہ تم جہاں بھی رہو، اپنے چہرے کو اُسی طرف متوجہ رکھو۔ باقی دنیا کی تمام مسجدیں اسی ایک مرکز کی مختلف شاخیں ہیں جو دنیائے اسلام کے ہر ایک قصبے، ہر ایک گاؤں اور ہر محلے میں پھیلی ہوئی ہیں مسجدوں کا یہ سارا سلسلہ اس لئے قائم کیا گیا، تاکہ آپ سب مسلمان ان ربانی دفتروں کے ذریعہ سے ایک منظّم قوم بن کر زندگی میں حصّہ لیں۔ تاریخ اسلام سے ثابت ہے کہ ہجرت کے بعد حضرت محمد صلعم نے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی اصلاح و تنظیم کے لئے جو پہلا قدم اٹھایا، وہ مسجدِ نبوی کی تعمیر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے خانہ کعبہ کے لئے پتھر ڈھوئے تھے اور محمد رسول اللہؐ نے مسجد مدینہ کیلئے پتھر ڈھوئے۔ اس میں راز یہ تھا کہ تمہیں مسجد کی بزرگی اور بڑائی معلوم ہو۔

Marfat.com

برادرانِ ملّت! تنظیم مساجد کے صاف اور صحیح معنی یہ ہیں کہ آپ اپنے محلّہ کی مسجد سے وہی کام لیں جو محمدؐ رسول اللہ نے مسجد مدینہ سے لیا تھا۔ مسلمان وہیں نماز پڑھتے تھے، وہیں دعائیں مانگتے تھے، وہیں قرآن اُترتا تھا، وہیں سکھایا اور پڑھایا جاتا تھا، جب وہ مسلمان جھگڑتے تو وہیں مسجد میں بیٹھ کر فیصلہ کر لیتے تھے، وہیں تقریریں ہوتیں اور وہیں خطبات دیئے جاتے، جب کوئی مصیبت آتی، وہیں مسجد میں رسولِ خدا کے ساتھی جمع ہوتے اور حفظِ امّت کی تدبیر کرتے، وہیں غیر اقوام کے وفود آتے، وہیں عہد نامے ہوتے اور لکھے جاتے، وہیں سے تبلیغی وفود روانہ ہوتے اور وہیں سے مجاہدوں اور نمازیوں کے دستے بے نیام تلواروں کے ساتھ میدان جنگ کی طرف کوچ کرتے، وہیں چندوں کی اپیلیں ہوتیں اور وہیں مالِ غنیمت تقسیم کیا جاتا۔ مختصر الفاظ میں یوں کہیئے کہ مسجد قبا، رسولؐ اور اصحابؓ۔ رسولؐ کی زندگی کے جملہ رشتوں کی جان تھی، مسلمانوں کی پارلیمنٹ تھی، عدالت تھی، عبادت گاہ تھی، ٹاؤن ہال تھی، دارالاصلاح تھی، بیت العلوم تھی اور مرکز حرب و جہاد تھی، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بجلی گھر کے ساتھ ہزارہا لیمپوں کی تاریں کس طرح جڑی ہوتی ہیں؟ یقین کیجیئے کہ حضرت محمد صلعم نے ہر ایک مسلمان کے دل کو اور ہر ایک مسلمان کی دُنیا اور آخرت کو اسی طرح مسجدِ مدینہ کے ساتھ جوڑ دیا تھا۔ تنظیم مساجد یہ ہے کہ آپ ہر ایک اسلامی گھر کی تاریں محلّہ کی مسجد کے ساتھ جوڑ دیں۔ محلّہ دار مسجدیں، جمعہ مسجدوں سے جوڑ دی جائیں، جمعہ مسجدیں عیدگاہوں سے اور عیدگاہیں خانہ کعبہ سے اس طرح کہ جب ایک مرکز میں بٹن دبایا جائے تو یہ تمام ماتحت شاخیں

از خود زندہ روشن ہو جائیں۔ اسلام کا یہ نظام نہایت ہی پختگی اور درستی کے ساتھ مکمل ہو سکتا ہے، البتہ لیکن ایک روک اٹھ جانے اور وہ روک یہ ہے کہ آپ ابھی عمل کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ اگر آپ آج ہی محلّہ کی مسجد کے ساتھ جڑ جائیں اور اہلِ محلّہ کو مسجدِ مدینہ ہی کی طرح اپنی مسجد کے ساتھ جوڑ دیں تو کل طلوعِ آفتاب سے پہلے مسلمانوں کا بھلا ہو سکتا ہے، ہر ایک مسلمان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ ہماری قوم کا اصلی سوال یہ نہیں ہے کہ ایک دنیا یا ایک ملک کے مسلمانوں کی اصلاح ہو، اصل سوال صرف یہ ہے کہ ہمارے اپنے محلّہ کی اصلاح ہو۔ اگر ہر محلّہ اپنی اصلاح کر لے تو سمجھیئے کہ پھر سب کی اصلاح ہو گئی۔ اس راہ کا صحیح ترین قدم یہ ہے کہ ہر ایک صوبے میں ایسی درسگاہیں قائم کی جائیں جو اس غرض کے لئے ائمہ مساجد کو تیار کریں کہ وہ مسجد مدینہ کے پروگرام کو اپنے اپنے محلّہ کی مسجد میں نافذ کرنے کے لئے مساجد میں داخل ہوں۔ اگر مسلمان ایک مرتبہ صحیح طور پر اللہ کے گھروں کو آباد کریں تو یقین فرمائیے کہ خدا تعالےٰ ایک پلک میں اُن کے اُجڑے ہوئے گھروں کو آباد کر دے گا۔

ایثار و قربانی

برادرانِ اسلام! عیدالضحیٰ کا چوتھا اور آخری فرض، جسے اب آپ نمازِ عید کے بعد ادا کریں گے "قربانی" ہے۔ قربانی ہر آزاد اور صاحبِ نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جانور تندرست اور بے عیب ہونا چاہیئے۔ کھال مستحق زکوٰۃ کو دی جائے۔ تہائی گوشت خیرات کیا جائے، تہائی احباب کو تقسیم کر دیا جائے اور تہائی اپنے مصرف میں لایا جا سکتا ہے۔ ۱۰، ۱۱، ۱۲ تین دن قربانی کر سکتے ہیں عید الضحیٰ

Marfat.com

کی قربانی اس جلیل القدر انسان کی یادگار ہے، جس کی زندگی کا ہر ایک لمحہ سراپا قربانی تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام آج سے قریباً پانچ ہزار سال پہلے بابل کی زمین میں پیدا ہوئے۔ آپ کا باپ آذر بُت گر تھا۔ آپ کی قوم نمرود کی پجاری تھی۔ نمرود نے اپنا سونے کا بُت بنوا کر مندر میں رکھ دیا تھا کہ لوگ سجدے کریں۔ حضرت ابراہیمؑ کی صدائے حق یہ تھی کہ نمرودیت کو فنا کر دو اور خدائے واحد کے سامنے جُھک جاؤ۔ حضرت ابراہیمؑ نے باپ کو توحید کی دعوت دی، لیکن جب وہ اللہ کا دشمن بن کر کھڑا ہو گیا تو آپ نے باپ کو قربان کیا اور خدا کو چُن لیا۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو خدا کی دعوت دی، آپ مندر میں داخل ہو گئے اور بُتوں کو ریزہ ریزہ کر دیا، لیکن اس پر بھی غلام قوم کی آنکھیں نہ کھلیں، جب قوم نے خدا سے مُنہ موڑا اور نمرود کی بندگی پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا، أَنْتُمْ اٰبَاءُكُمُ الْأَقْدَمُوْنَ فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّيْٓ إِلَّا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یعنی اے قوم! میں تم سے اور تمہارے باپ دادوں سے بری اور بیزار ہوں۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ بادشاہ کے پاس پہنچے اور صدائے حق بلند کی، فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ۔ وہ متحیّر ہو کر رہ گیا۔ اب ہر طرف سے، اُقْتُلُوْهُ اَوْ حَرِّقُوْهُ، یعنی "قتل کر دو اور جلا دو" کی صدائیں بلند ہوئیں۔ جب قوم ہی کو احساس نہ ہو، تو تنہا بادشاہ کو کیا پروا ہو سکتی ہے؟ بہرحال آگ کا ایک الاؤ تیار کیا گیا اور حضرت ابراہیمؑ بڑی بے دردی سے اس میں پھینکے گئے، اس وقت زمین و آسمان پر سناٹا چھا گیا ایک طرف آگ کا خرمن تھا، دوسری طرف ایمان کی بجلی تھی اور کائنات فیصلے کی منتظر تھی

Marfat.com

کہ کون کس پر غالب آتا ہے؟ ابھی آنکھ بھی نہ جھپکی تھی کہ خالق کل کی طرف سے یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا کا پیغام آپہنچا، ایمان فتحمند ہوا اور نمرود نے شکست کھائی مگر غافل قوم کی آنکھیں اب بھی نہ کھلیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے باپ چھوڑا، قوم چھوڑی، حکومت کو دشمن بنایا، اپنی زندگی کو خطرات میں ڈالا، صرف اس لئے کہ اللہ کی عبادت ہو، سونے چاندی کی عبادت نہ ہو۔ لیکن جب جس قوم نے یہ سب کچھ دیکھ کر بھی آنکھیں بند کر لیں تو آپ نے زمینِ وطن کو بھی الوداع کہی اور اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلَی اللّٰہِ کہہ کر بابل کی ہجرت کر گئے۔ اس وقت صرف دو سعید روحوں نے آپ کا ساتھ دیا۔ ایک حضرت سارہ نے اور دوسرے حضرت لوطؑ نے۔ اس وقت مصر کا بادشاہ رقیون تھا۔ اس نے حضرت خلیل اللہؑ کا احترام کیا اور اپنی بیٹی ہاجرہ بیاہ دی۔ حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے، جوان ہوئے اب حضرت ابراہیمؑ نے دیکھا کہ آپ اسمٰعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں، پوچھا، بیٹا! میں نے یہ خواب دیکھا ہے، تیری کیا رائے ہے؟ حضرت اسمٰعیلؑ نے جواب دیا، یَا اَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ۔ اے باپ! آپ خدا کے حکم کی تعمیل کریں۔ آپ بفضلِ خدا مجھے صابر پائیں گے۔ باپ نے بیٹے کو لٹایا اور پھر وہی تلوار اٹھائی، جو اس سے پہلے خدا تعالیٰ کے لئے باپ، قوم، خاندان اور وطن کے رشتوں کو ایک ایک کر کے کاٹ چکی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ اسلاف کی طرح اولاد کی گردن بھی کاٹیں اور دونوں طرف کے رشتوں کو تلوار کے حوالے کر کے کائنات عالم میں مقام ابراہیمؑ کی یکتائی کا ڈنکہ

بجاویں، لیکن خدا کی رحمت نے پیشقدمی کی اور ارض و سمائیں قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا کے نقارے بج گئے اور وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ، اور وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ کا اعلان کردیا گیا۔ عید الضحیٰ کی موجودہ قربانیاں اسی واقعہ عظیم کی یادگار ہیں تاکہ حضرت ابراہیمؑ کے نام لیوا آپ کی زندگی کو سمجھیں اور اپنے جان، قوم، اولاد کو اللہ کی قربانی خیال کریں۔

مسلمانو! تمہاری تمام مصیبتوں کا علاج یہ ہے کہ تم متفق ہو جاؤ، متحد ہو جاؤ، ایثار اور قربانی کے لئے کھڑے ہو جاؤ اور اپنے حالات، معاملات کو درست کرلو۔ اگر تم اپنے اعمال اور اخلاق کو درست کر لیا کرو تو تمہاری یہ تمام مصیبتیں ایک ہی دن میں ختم ہو جائیں گی۔ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ۔

Marfat.com

خطبہ پنجم ۵

اسلام کا انقلابی موحّد

سراپا انقلاب ابراہیم خلیل ؑ

اگر کوئی شخص خدا کا قائل نہ ہو اور وہ حضرت ابراہیم ؑ کے کارناموں کا مطالعہ کرے تو وہ پکار اٹھے گا۔

حضرت ابراہیم ؑ، سراپا انقلاب تھے، ایسے انقلابی جو پانی میں آگ لگا دیں۔ ایسے انقلابی جو آگ کو گلزار بنا دیں۔ تاریخ کا بیان ہے کہ جہاں اب مکہ معظمہ آباد ہے، یہ ایسی جگہ تھی جہاں چشم فلک نے پانی کی ایک بوند یا گھاس کا ایک سبز تنکا بھی کبھی نہیں دیکھا تھا، اور جس طرح آپ نے بابل میں آگ سے گلزار پیدا کیا، اسی طرح یہاں کے خشک سنگستانوں کی ہڈیاں توڑ دیں اور ان سے پانی کے چشمے بہا دیئے۔ یہاں کے شورہ زاروں کے پیٹ چیر دیئے اور وہاں ایک ایسی آبادی بسا ڈالی جو آج تک اپنے محل و قوع کے اعتبار سے معجزہ قدرت خیال کی جاتی ہے۔

حضرت ابراہیم ؑ کے لئے یہ ساری کائنات تصویر انقلاب تھی۔ آپ نے ستاروں سے گفتگو کی، وہاں سے انقلاب زندہ باد کی صدا آئی۔ پھر آپ نے چاند کو بلایا، وہ بھی انقلاب زندہ باد کے گیت گا رہا تھا۔ پھر آپ سورج کے پاس آئے، اُس کی نورانی کرنوں نے

انگلی بن کر انقلاب کی طرف اشارہ کیا اور خود تاریکی میں گم ہوگئیں۔ ابراہیمی نظر سے زندگی کی غزل کا مقطع یہ ہے:۔ اس کائنات میں صرف ایک خدا کی ذات بے انقلاب ہے، اور باقی جو کچھ بھی ہے انقلاب کے سوا کچھ بھی نہیں۔

ڈوبنے والوں سے بغاوت

قرآنِ عظیم نے حضرت ابراہیمؑ کے انقلابی رجحانات پر عجیب طریقے سے روشنی ڈالی ہے۔ پہلے آپ نے ستارے کو دیکھا اور سمجھا:۔ یہ خدا ہے۔ وہ غروب ہوگیا، تو آپ نے اُسے رد کر دیا۔ پھر آپ نے چاند کو دیکھا اور سمجھا:۔ یہ خدا ہے، وہ غروب ہوگیا تو آپ نے اُسے رد کر دیا۔ پھر آپ نے سورج کو دیکھا اور سمجھا:۔ یہ ضرور خدا ہوگا، مگر جب یہ بھی غروب ہوگا تو آپ پکار اُٹھے:۔ میں ڈوبنے والوں کا پجاری نہیں ہوں، بس اب میں خالقِ ارض و سماء ہی کے سامنے جھکوں گا اور آپ اُسی وقت جھک گئے۔

یہ "ڈوبنے والے" کون تھے، جنہیں اسلام کے انقلابی موحّد نے رد کیا تھا؟ "ڈوبنے والوں" (آفلین) کی اصطلاح صرف شمس و قمر تک محدود نہ تھی جب حضرت ابراہیمؑ کی آنکھوں سے پردہ اُٹھا تو انہوں نے دیکھا:۔ یہ پوری کی پوری کائنات ہی آفلین میں شامل ہے۔ یہ سیاروں اور ستاروں کا سارا جال، یہ پورا نظام قمری، یہ پورا نظامِ شمسی، یہ زمین، یہ آسمان، سب کے سب ڈوبنے والوں میں شامل تھے۔ اِنّی لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ کے نعرۂ انقلاب سے قلبِ ابراہیمؑ صرف ایک ہی فیصلے پر پہنچا اور وہ یہ تھا: میں ایک خدا کے سامنے جھکتا ہوں اور باقی سب کی حاکمیت اور معبودیت کو رد کرتا ہوں۔

Marfat.com

اس اعلان حق کے بعد حضرت ابراہیمؑ وہ ابراہیمؑ نہیں رہے جو آذر کے گھر پیدا ہوئے تھے۔ اب ابراہیمؑ، ابراہیم بن اسلام بن چکے تھے، اب ابراہیمؑ فرزند و بیچہ اب ابراہیمؑ کے وجود میں ایک نئے ابراہیمؑ کا، انقلابی ابراہیمؑ کا کائنات شکن ابراہیمؑ کا ظہور ہو چکا تھا۔ اس واسطے آپ دفعتہً ایک صاحب عزم موحد، ایک سرفروش مجاہد اور ایک غیر مغلوب انقلابی بن کر کھڑے ہو گئے اور وہ درس انقلاب جو آپ نے تاروں سے، چاند سے اور سورج سے سیکھا تھا، کرہ زمین پر دہرانے لگے۔ اس وقت دنیا نے دیکھا کہ آپ اپنے باپ آذر سے ٹکرا رہے تھے، اپنی بت پرست قوم سے ٹکرا رہے تھے، آگ کے الاؤ میں ڈالے جا رہے تھے، آگ کو گلزار بنا رہے تھے، ترک وطن کر رہے تھے، ہاجرہ جیسی بیوی کو سپرد بیابان کر رہے تھے، اسمٰعیلؑ جیسے فرزند کی گردن پر چھری پھیر رہے تھے۔ ایک طرف نمرود بادشاہ تھا، باپ تھا، قوم تھی، مذہبی پیشوا تھے اور دوسری طرف صرف ابراہیمؑ تھے۔ جو ان سب کے مقابلے میں ایک خدا کی بادشاہت کا اعلان کر رہے تھے۔ آپ انقلابی ابراہیمؑ سے توحید الٰہی کی حقیقت پوچھیے، وہ آپ کو بتائیں گے کہ اعلانِ توحید کا اولین تقاضا یہ ہے کہ آپ زبان سے لا الٰہ الا اللہ کہیں اور پھر ساتھ ہی اس پوری کائنات سے ٹکرا جائیں۔ اگر آپ نے غیر خدا سے ٹکر نہیں لی، اگر آپ نے ماسوا سے جنگ نہیں کی، اگر آپ نے نمرود کے تخت حکومت کو اُلٹ نہیں دیا، تو آپ کو یقین کر لینا چاہیے کہ ابھی ابراہیمی توحید کی ہوا بھی آپ تک نہیں پہنچی۔

Marfat.com

ابراہیمی انقلاب کا راس المال

حضرت ابراہیمؑ کی تاریخ انقلاب کا نکتہ غور طلب یہ ہے کہ وہ کیا راس المال تھا؟ وہ کونسا میگزین تھا؟ وہ کونسی بندوق اور تلوار تھی، جس کے بل بوتے پر آپؑ نے اس پوری کائنات کے خلاف اعلانِ جنگ کیا اور اس کی قوتوں کا شیرازہ درہم برہم کر ڈالا۔ سنو، سنو، حضرت ابراہیمؑ کا سامانِ جنگ، حضرت ابراہیمؑ کی انقلابی تلوار، حضرت ابراہیمؑ کا میگزین صرف ایمانِ ابراہیمؑ تھا۔ آپ صرف ایمان کی بے پناہ طاقتوں سے مسلح ہو کر نکلے تھے۔ اور یہ ساری کائنات آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئی۔ آیئے! خلیلؑ اور مصطفٰےؐ کی انقلابی تاریخ کو سامنے رکھ کر ایمان باللہ کی حقیقت پر غور کریں۔

ایمان باللہ کی حقیقت

ایمان، یقین کی ایک خودی ہے جو انسان کو انتہائی غم و حزن میں بھی فولاد کی طرح قوی دل رکھتی ہے۔

ایمان ایک بھاپ ہے جس سے انسانی وجود کا انجن، عمل کی پٹڑی پر اس طرح بے پناہ دوڑنے لگتا ہے کہ کوئی سدّ اور حد اس کا راستہ روک نہیں سکتی، لیکن اگر اس وقت اُسے اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت بھی حاصل ہو جائے تو پھر یہی ایمان، آگ کی بجائے بجلی بن جاتا ہے۔ ایمان کے معاملے میں مسلمانوں کو سب سے بڑا مغالطہ یہ لگ رہا ہے کہ علم اور ایمان میں امتیاز نہیں کرتے، حالانکہ علم اور ایمان میں بڑا فرق ہے۔ علم جاننے کو کہتے ہیں اور ایمان ماننے کو کہتے ہیں۔ جاننے والے کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ جس چیز کو جانتا ہے اُس کے حکم کی تعمیل بھی کرے۔ لیکن ماننے والا تعمیل

حکم کے بغیر ماننے والا بن ہی نہیں سکتا۔ مثال اسکی یہ ہے کہ انگریز سپاہی سٹالن کو جانتے ہیں اور روسی سپاہی سٹالن کو مانتے ہیں۔ اب انگریز اور روسی سپاہیوں کا فرق صاف ہے۔ جب سٹالن حکم دیتا ہے تو انگریز سپاہی سٹالن کو جاننے کے باوجود اس کے حکم سے مُنہ پھیر لیتے ہیں، مگر روسی سپاہی اُس پر جانیں لڑا دیتے ہیں۔ بس مومن اور غیر مومن کا خطِ امتیاز یہی ہے۔ کافر، مشرک، مومن اور مسلمان خدا تعالیٰ کو جانتے تو سب ہیں، مگر مانتے سب نہیں ہیں۔ ایمان اور کفر کی اصل کسوٹی یہی تعمیلِ حکم ہے۔ اگر آپ تعمیلِ حکم کریں تو مومن ہیں، اگر تعمیلِ حکم نہ کریں تو کافر ہیں، خواہ آپ ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے رات اور دن برابر زبان سے اللہ اللہ کرتے رہیں۔

ایک اور مثال۔ ایک عورت روٹی پکا رہی ہے، خاوند نے کہا، جرمن طیارہ دن کی بمباری سے دنیا کا خوبصورت ترین شہر پیرس جل گیا ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ ایسے ہولناک واقعہ کے علم کے باوجود بھی یہ عورت برابر روٹی پکا رہی ہے۔ اب اسی وقت ایک دوسرا شخص اس عورت کے پاس آتا ہے اور پکارتا ہے: "اے ماں! تمہاری اندھی لڑکی اسی پاس کے کنوئیں میں گر گئی"! اب یہ عورت اپنے آپ کو بھول جاتی ہے اور ننگے سر اور ننگے پاؤں کنوئیں کی طرف بھاگتی ہے۔ عورت کی یہ دوسری کیفیت اسکی ایمانی حالت ظاہر کرتی ہے۔ مومن وہ ہے جو اللہ کا حکم سُن کر اس عورت کی طرح اپنے آپ کو بھول جائے اور تعمیلِ حکم کے لئے اس طرح بے تحاشہ دوڑے کہ اگر پہاڑ بھی اس کے سامنے آئے تو وہ اس کو چیر کر نکل جائے۔ تعمیلِ حکمِ الٰہی کے لئے مومن کی یہی وہ محویت ہے،

Marfat.com

جو اس میں خدائی کا زور بھر دیتی ہے۔ پھر جب ایک عاجز انسان خدا کی اطاعت میں زندگی اور موت سے بے پروا ہو کر نکل کھڑا ہوتا ہے تو وہ مالک الملک جس کے حکم کی تعمیل ہو رہی ہے، اس سے کیونکر الگ رہ سکتا ہے؟ اس وقت خدا اور خدا کی ساری خدائی اس انسان کے ساتھ ہوتی ہے، فرشتے بھی اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ جن و انس بھی ساتھ ہوتے ہیں۔ وحش و طیور بھی ساتھ ہوتے ہیں اور وہ کسی مادی سبب کا محتاج نہیں رہتا۔ اس کا جذبہ اطاعت حق، آگ بن کر اس کی تمام مشکلات کو پگھلا ڈالتا ہے۔ مرد مومن کی اسی امتیازی حالت کے متعلق ڈاکٹر اقبال رح لکھتے ہیں:-

کافر ہے مسلماں تو نہ شاہی نہ فقیری
مومن ہے تو کرتا ہے فقیری میں بھی شاہی
کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی!

بہرحال حکم الٰہی کی تعمیل کے لئے کوئی شخص اپنے اندر جس قدر بھی دیوانگی پیدا کریگا اس کی ہمت اسی قدر زیادہ خدائی طاقتوں سے بہرہ ہوتی چلی جائے گی۔ اسی لئے بعض حقیقت شناس علماء نے ایمان کی اس طرح تعریف کی ہے:- اَلْاِیْمَانُ تَصْدِیْقٌ بِالْجَنَانِ وَاِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَعَمَلٌ بِالْاَرْکَانِ۔ یعنی ایمان، قلبی تصدیق، زبانی

Marfat.com

اقرار اور عملی تعمیل تینوں کے مجموعہ سے پورا ہوتا ہے۔

ایمان کی طاقت کا راز

انسانی دنیا میں بہت سی طاقتیں کار فرما ہیں۔ پہلی چیز جسمانی طاقت ہے۔ اس سے دنیا کے ہزار ہا کام سرانجام پا جاتے ہیں۔ جسمانی طاقت سے بڑھ کر مالی طاقت ہے، جو کام جسمانی زور سے پورا نہ ہو، وہ مالی طاقت سے پورا ہو جاتا ہے۔ علمی طاقت، مالی طاقت سے بھی بڑھ کر ہے۔ علم کے زور سے انسان جسم اور مال دونوں کو زیر کر لیتا ہے، ان سب سے بڑھ کر عقلی طاقت ہے، اگر عقل چاند اور سورج پر بھی کمند ڈالے تو وہ زمین پر کھنچ آتے ہیں لیکن انسانی کمالات کی حد عقل نہیں۔ عقلی قوت سے بھی بڑھ کر عشق و ایمان کی طاقت ہے، انسانی زندگی کا وہ کٹھن مورچہ جو جسم، مال، علم اور عقل سے سر نہ ہو سکے۔ ایمان اُسے صرف ایک اشارے میں فتح کر لیتا ہے۔ ایمان کی اسی بے پناہ طاقت کے متعلق ڈاکٹر اقبالؒ لکھتے ہیں ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

جب حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے ساتھ بحرِ قلزم میں قدم رکھا تو وہ پایاب ہو گیا۔ یہ شوکتِ ایمان ہی کا ایک مظاہرہ تھا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی

Marfat.com

اٹھائی اور چاند دو پارہ ہوگیا۔ یہ بھی ایمانی طاقت کی ایک مثال ہے۔ حضرت عمرؓ نے دریائے نیل کو ایک خط لکھا، جب یہ خط دریا میں ڈالا گیا تو اس کی طوفان خیزیاں ختم ہوگئیں۔ یہ بھی ایمانی طاقت کی ایک مثال ہے۔ جب رسول اللہؐ کے تمام سہارے کٹ چکے، تو آپ نے اپنے چچا کو مخاطب کرکے فرمایا: "اے چچا! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پہ سورج اور بائیں ہاتھ پہ چاند بھی لاکر رکھ دیں تو میں اپنی راہ نہ بدلونگا۔ اس دنیا میں ضرور میرا مشن پورا ہوگا اور یا میں خود شہید ہو جاؤں"۔ رسول اللہؐ کی یہ دل گرمیاں، استحکام ایمان ہی کا ایک مظاہرہ ہیں۔ حیرہ کالاٹ پادری عبدالمسیح ایک وفد کے ساتھ حضرت خالدؓ کے پاس آیا اور زہر کی پھکنی ساتھ لایا۔ جب گفتگو ہوئی تو کہنے لگا "اگر مسلمانوں کی روحانی عظمتیں میرے سامنے نہ آتیں تو میں یہ زہر کھا لیتا، مگر آپ کی غلامی قبول نہ کرتا"۔ حضرت خالدؓ نے اس زہر کو اپنی ہتھیلی پہ رکھا اور فرمایا "کوئی شخص موت سے پہلے نہیں مر سکتا اور نہ حکم خدا کے بغیر کوئی چیز اثر کر سکتی ہے"۔ پھر خدا کا نام لیا اور تمام زہر کھا گئے۔ یہ بھی شوکتِ ایمان ہی کا ایک نظارہ تھا۔ قیروان (شمالی افریقہ) کا جنگل سانپوں اور درندوں سے بھرا پڑا تھا۔ حضرت عقبہؓ نے یہاں مجاہدین اسلام کے لئے فوجی کیمپ بنانے کا فیصلہ کیا اور پھر رسول اللہؐ کے ۱۸ صحابہ کو ساتھ لیکر جنگل کے درندوں اور سانپوں کو پکارا، نحن اصحٰب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فارحلوا فانا نازلون۔ نحن وجدناہ بعد قتلناہ۔ ہم رسول اللہؐ کے ساتھی ہیں، تم یہاں سے نکل جاؤ، اب ہم یہاں رہیں گے، اگر اس کے

باوجود بھی یہاں کوئی چیز پائی گئی، تو اُسے قتل کر دیا جائے گا" اس آواز کے ساتھ ہی جنگل میں بھاگڑ پڑ گئی۔ اور ایک آواز پر تمام جنگل، سانپوں اور درندوں سے خالی ہو گیا، یہ واقعہ عظیم بھی فتوحات ایمانی ہی کی ایک مثال تھی۔ ایمان کا معنیٰ ہے ایک خدا پر بیعت انسان کی آخری طاقت۔ جب یہ طاقت نمودار ہوتی ہے تو پھر اگر پہاڑ بھی مقابلے میں ہو تو وہ ہٹ جاتا ہے اور اگر ملائکہ سامنے ہوں تو وہ سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔

تخلیقِ ایمان کا طریقہ

دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے۔ جس میں خدائی طاقتیں جلوہ نما نہ ہوں مثلاً نیم کی لکڑی میں آگ بھی ہے، کڑوا پن بھی ہے، بو باس بھی ہے اور شفا بھی ہے۔ جمادات سے زیادہ نباتات میں خدائی طاقتیں ہیں۔ نباتات سے زیادہ حیوانات میں ہیں اور حیوانات سے زیادہ انسان میں ہیں۔ جہاں بھی کوئی طاقت موجود ہے، قدرت نے اُس کے اظہار کا طریقہ بھی مقرر کر دیا ہے۔ چنانچہ آپ ایک خاص طریقے پر عمل کر کے پتھر سے آگ اور پانی سے بجلی پیدا کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ ایمانی طاقت بھی پیدا کر سکتے ہیں۔ میں یہ واضح کر چکا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے اس کائنات میں جتنی طاقتیں پیدا کی ہیں، اُن میں سب سے بے پناہ اور غیر مغلوب طاقت، قوتِ ایمانی ہے، ایمان، خدائی طاقت کا ایک حصّہ ہے۔ یہ خدائی طاقت انسانی روح کے اندر گندھی ہوئی ہے اور اس کے متعلق قدرت کا مقررہ قاعدہ یہ ہے کہ یہ ہمیشہ خیالات کی یک سوئی سے بڑھتی ہے اور خیالات کے

Marfat.com

انتشار سے گھٹتی ہے۔ پس کسی فرد یا قوم کی ایمان افروزی کے راستے کی اصل مشکل صرف یہ ہے کہ اس کے تمام خیالات کو ایک نقطے پر کس طرح باندھا جائے؟ آپ پانی کو رسّی سے باندھ سکتے ہیں۔ آپ آگ کو زنجیروں سے جکڑ سکتے ہیں، مگر ایک شخص کے خیالات کو ایک اصول اور ایک نقطہ پر کھڑا کر دینا بڑا دشوار ہے اور ایک پوری قوم کے خیالات کو ایک مرکز پر قائم کر دینا اس سے بھی ہزار گنا زیادہ مشکل ہے۔ اس لئے کہ انسانی خیال ایک طرفۃ العین ہی میں بدل جاتا ہے۔ پھر بھی تاریخ اور تحقیق کا متفقہ فتویٰ یہ ہے کہ اس دنیا میں صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کے خیالات کی برقی لہروں کو منجمد کر کے لوہے کی لاٹھ بنا دے سکتی ہیں۔ ایک توحید ربّانی کا نشہ اور دوسری حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت۔ زبانی توحیدِ الٰہی اور لفظی حبِّ رسول نہیں بلکہ عملی۔ پس ایک فردِ اسلام کی جمعیتِ خاطر اور سکونِ قلب اور تمام دنیائے اسلام کی جمعیتِ خاطر، سکونِ دل اور وحدتِ خیال اسی صورت میں حاصل ہو سکتی ہے جبکہ مسلمانوں کے نشہ توحید کا نتیجہ تو اطاعتِ قرآن کی صورت میں نکلے اور حبِّ رسولؐ کا نتیجہ اطاعتِ سیرت کی شکل میں برآمد ہو۔ اس کے بعد اگر افرادِ قوم کروڑوں کی تعداد میں بھی ہو رہے گے تو وہ ایک جسم ایک دماغ اور ایک روح بن جائینگے اور اس توحید و یکسوئی کے بعد ان میں وہ خدائی طاقت نمایاں ہو گی جس کا نام ایمان ہے، اور اس کے بعد یہ ایماندار قوم جب حکمِ الٰہی کی تعمیل کے لئے نکلے گی تو دریا اس کے سامنے پایاب ہو جائیں گے، پہاڑ فرش بن جائیں گے اور تقدیر کا بازی گر اُن کی

Marfat.com

انگلیوں کے اشاروں پر رقص کریگا۔ یہی وہ قومی خود شناسی اور جماعتی آگاہی کا مقام ہے، جس کے متعلق ڈاکٹر اقبالؒ کہتا ہے:۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

ایمان کا نظام

ایمان لانے والے سے یہ اقرار لیا جاتا ہے:۔ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ، وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ، وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی، وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ، اس کا معنیٰ یہ ہے، میں نے مانا اللہ کو، اور اُس کے فرشتوں کو اور اُس کی کتابوں کو، اور اس کے رسولوں کو، اور یوم آخرت کو اور قدر یعنی اندازے کو وَخَیْرِہٖ اس اندازے کا اچھا ہونا، وَشَرِّہٖ اور اس اندازے کا برا ہونا اللہ کی طرف سے ہے، اور دوسری زندگی کو۔ یہ کل سات چیزیں ہیں، جن میں جڑ کی بات ایمان باللہ ہے اور باقی چھ چیزیں اسے مضبوط اور مکمل کرنے والی ہیں۔ اللہ کو ماننا اصل سعادت ہے، فرشتوں کو ماننا اس لئے ہے کہ وہ پیغام الٰہی کے لانے والے ہیں۔ کتابوں کا ماننا اس لئے کہ وہ خود خدا کا پیغام ہیں۔ نبیوں کا ماننا اس لئے کہ انہوں نے یہ پیغام انسانوں تک پہنچایا اور اس پر عمل کر کے دکھایا۔ یوم آخرت کا ماننا اس لئے کہ اس دن پیغام الٰہی پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا بدلہ دیا جائے گا۔ اندازہ نیکی و بدی کے خدا کی طرف سے ہونے پر اس لئے، تاکہ کوئی انسان اللہ کی مقرر کردہ حدوں میں دخل نہ دے۔ موت

Marfat.com

کے بعد کی زندگی پر ایمان لانا اس لئے تاکہ ہر انسان زندگی کے مستقبل کو پیش نظر رکھ کر موجودہ زندگی کی ذمہ داریاں ادا کرے۔ یہ اقرار ایسا ہی ہے جیسا کہ اسمبلیوں کے ممبروں سے پہلے [illegible] ووٹروں کے حق دینے سے کوئی شخص ممبر نہیں بنتا، البتہ جب اسمبلی میں جا کر وہ اقرار کرتا ہے کہ میں ممبری کے فرائض کو بادشاہ کی وفاداری میں استعمال کروں گا" تو اُسے اسمبلی میں ووٹ دینے کا حق مل جاتا ہے۔ اسلام تمام انسانیت کو ایک پارلیمنٹ بنانا چاہتا تھا۔ اس لئے اس نے قانون بنا دیا کہ ہر انسان خدا کی دی ہوئی زندگی کو استعمال میں لانے سے پہلے یہ اقرار کرے کہ وہ صرف خدائے واحد کو اپنا بادشاہ تسلیم کرتا ہے اور وہ اپنی زندگی کی تمام طاقتوں کو صرف خدائے واحد کی وفاداری میں استعمال کریگا"۔ خدا کا قانون ملائکہ کے ذریعہ آپ کو پہنچ چکا ہے۔ نبیوں نے اس پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ آپ نے حدود قانون اور تاریخ پیشی سب کچھ سن لیا ہے۔ آپ نے انسانی زندگی کی صحیح صورت بھی سمجھ لی ہے اور اب اس کے مطابق آپ کا عمل ہوگا۔ جب کوئی شخص حلف وفاداری کے اس تمام سلسلے پر ٹھیک ٹھیک عمل کرتا ہے تو اس کے دل کا جوڑ زندگی اور برتری کے ازلی اور ابدی سرچشمے سے جڑ جاتا ہے اور جب ایسا ہو گیا تو وہی شخص سب سے قوی ہے اور وہی سب سے اونچا ہے۔

تاریخ عرب میں تاریخ ایمان | اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :-

Marfat.com

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ

اللہ ساتھی ہے ایمان والوں کا وہ نکالتا ہے ان کو

الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔

اندھیرے سے طرف روشنی کی۔

برادرانِ ملت! ادھر بندوں میں حکمِ الٰہی کی تعمیل کا عشق اور جوش موجود ہوتا ہے اور اُدھر تائید خداوندی اُن کی امداد کے لئے آگے بڑھتی ہے۔ ان دونوں طاقتوں کے اجتماع سے وہ عظیم الشان انقلابی قوت پیدا ہوتی ہے جو قوتِ ایمان کے نام سے موسوم ہے۔ اُوپر کی آیت میں اسی قوت کی انقلاب انگیزیوں کا ذکر ہے۔

انقلاب ایمان کی صحیح کیفیت سمجھنے کے لئے آپ یہ دیکھئے کہ ظہورِ اسلام کے وقت اہلِ عرب کی حالت کیا تھی؟ مالی حالت اس قدر کمزور تھی کہ وہ یہود کے پاس اپنی عورتیں اور بچے گروی رکھ کر قرض لیتے تھے۔ فاقہ مستی اس قدر کہ پیٹ پر پتھر باندھتے یا درختوں کے پتے کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ نے شہادت پائی تو مسلمانوں کے پاس کفن کا کپڑا تک موجود نہ تھا۔ صرف ایک چھوٹی سی چادر تھی جب اُس سے میت کا سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا رہ جاتا۔ سیاسی مظلومی اس قدر تھی کہ کفارِ مکہ اسلام قبول کرنے والوں کے منہ میں لگامیں ڈالتے اور چابک مار کر انہیں حیوانات کی طرح دوڑاتے تھے۔

Marfat.com

عوام میں وحشت اس قدر تھی کہ حیوانات کو پہلے یا پیچھے پانی پلانے پر قبیلوں کے قبیلے کٹ کر ڈھیر ہو جاتے تھے۔ فرقہ بندی اس قدر تھی کہ ہر قبیلہ دوسرے کی جان کا دشمن تھا۔ بدکاری اس قدر تھی کہ ایک ایک گھر شراب، زنا، اور قمار بازی میں ڈوبا ہوا تھا جہالت اس قدر تھی کہ زندہ لڑکیوں کو زمین میں دبا دیتے تھے اور قلم سے لکھنے کو جرم سمجھتے تھے۔ اسی زمانہ میں اہلِ عرب کے متعلق عام مشہور تھا کہ ایک ایرانی دس عربوں پر بھاری ہوتا ہے۔ لیکن جب یہی عربی قوم ایمان لے آئی تو ان کی کمزوری قوت سے بدل گئی۔ اپنے اور بیگانے جو بھی سامنے آئے مغلوب کر دیئے گئے۔ عرب جب ایمان سے خالی تھے تو ایک ایرانی دس عربوں پر بھاری تھا۔ مگر جب ایمان دار بن گئے تو ایک عرب دس دس ایرانیوں پر بھاری ہو گیا۔

رسول اللہ کے ایمان کی ہیبت

آئیے اب بحث کی باگ سیرت نبوی کی طرف موڑ دیں اور اس سے فتوحات ایمان کی کارفرمائیوں کا حال سنیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے چند نعمتیں ایسی دی ہیں جو کسی پہلے نبی کو نہیں دی گئیں۔ ان میں ایک یہ ہے کہ بہت بڑی بڑی ملکی فتوحات مجھے صرف رعب و ہیبت سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ بخاری کی حدیث ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ میں ابھی میدانِ جنگ سے ایک مہینہ کی مسافت پر ہوتا ہوں کہ دشمن کی فوج لرز جاتی اور تھر تھرانے لگتی ہے۔ یہ رسول اللہ کی شوکتِ ایمان کا نتیجہ تھا۔

Marfat.com

جب حضور سرورِ عالم ہجرت کے دن عازمِ مدینہ ہوئے تو کفار نے گرفتاری کے لئے ایک سو اونٹوں کا انعام مشتہر کیا۔ سراقہ بن جشعم آپ تک پہنچا اور اُس نے تین مرتبہ اپنا گھوڑا آپ پر کدایا مگر تینوں مرتبہ گھوڑا سپ پا ہوا اور سراقہ زمین پر گر گیا۔ حضورؐ ابھی اپنی جگہ پر کھڑے تھے کہ سراقہ نے معافی کی درخواست پیش کر دی اور خطرہ ختم ہو گیا یہ بھی رسول اللہؐ کی استواری ایمان کا نتیجہ تھا۔

پیغمبرِ اسلام ایک درخت کے نیچے سوتے ہوئے تھے کہ ایک غضب ناک آواز آئی "محمدؐ! اب تمہیں کون بچائے گا؟" رسول اللہؐ کی زبان سے نکلا "اللہ! اللہ! اللہ!" اور بس انہیں الفاظ پر تلوار دشمن کے ہاتھ سے گر گئی اب رسول اللہؐ نے وہی تلوار اٹھائی اور وہی الفاظ دہرائے۔ اب خوفزدہ دشمن معافی کا طلبگار تھا۔ یہ بھی رسول اللہؐ کی ایمانی قوت کا اعجاز تھا۔ اس لئے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ایمان نہ تعداد کا محتاج ہے اور نہ تلوار کا مسلمانوں کو ایک دریائے مواج کی طرح صرف اطاعتِ قرآن کی وادیوں میں مستانہ وار چلنے کی ضرورت ہے پھر کوئی نہیں جو ان کا راستہ روک سکے کَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ کے یہی معنی ہیں۔ جب مالکِ تقدیر خود ہمارا ساتھ دے گا تو پھر کون ہے جو ہمارے قدموں کو روک سکے۔

ایمان کی تاریخی صولت

اب آپ پیغمبرِ اسلام اور خلفائے راشدین کی جنگیں دیکھئے۔ جنگ بدر ۲ھ ہجری میں مسلمان ۳۱۳ تھے، مگر ایک ہزار قریش پر غالب آئے۔ جنگ احد ۳ھ ہجری میں سات سو تھے مگر

۳ ہزار مشرکین پر غالب آئے۔ جنگ خندق ۵ ہجری میں تین ہزار تھے۔ مگر ۱۰ ہزار یہود و مشرکین پر غالب آئے۔ فتح خیبر ۷ ہجری میں ۱۴ سو تھے مگر ۲۰ ہزار یہود پر غالب آئے۔ جنگ قادسیہ ۱۴ ہجری میں ۳۶ ہزار تھے مگر ایک لاکھ ایرانیوں پر غالب آئے۔ فتح نحل میں ۲۱ ہزار تھے مگر ۵۰ ہزار رومی عیسائیوں پر غالب آئے جنگ یرموک ۱۵ ہجری میں ۴۰ ہزار تھے مگر ۲ لاکھ ۴۰ ہزار رومی عیسائیوں پر غالب آئے۔ فتح قیساریہ ۱۹ ہجری میں ۴۰ ہزار تھے مگر ۸۰ ہزار عیسائیوں پر غالب تھے۔ کس طرح؟ یہ سب کچھ جوشِ ایمان کی حوصلہ مندیوں کا نتیجہ ہے۔

مسلمانوں پر ایک زمانہ وہ تھا کہ جب پیغمبرؐ اسلام نے شاہِ ایران کو دعوتِ اسلام کا خط لکھا تو اس نے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا اور گورنر یمن کو حکم بھیجا "محمدؐ کو گرفتار کر کے روانہ کرو۔" لیکن اس کے چند ہی سال بعد جب سرزمین ایران پر ایمان کی فوجیں بہرۂ شیر کی طرف بڑھیں اور متلاطم دریا میں گھوڑے ڈال کر خوفناک طوفان کو پھلانگتی ہوئی ساحلِ دریا تک جا پہنچیں تو شاہِ ایران کے وہ سپاہی جو ہر روز قسم کھایا کرتے تھے کہ "جب تک ہم زندہ ہیں سلطنتِ ایران کو کبھی زوال نہیں آسکتا۔" "جنات آگئے جنات آگئے" کہتے ہوئے میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور مسلمانوں کی فتح ہو گئی۔

اہل ایران کے دبدبہ و غرور کا حال جنگ قادسیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ایرانی سپہ سالار رستم [illegible] لاکھ فوج کے ساتھ میدان میں قدم رکھا تو وہ جوش میں

آکر پکار اُٹھا "کل عرب کو چکنا چور کر دوں گا" پاس سے ایک سپاہی نے کہا "ہاں! اگر خدا نے چاہا" رستم جوشِ غیرت سے بے تاب ہو گیا اور دوبارہ چیخ کر بولا "اگر خدا نے نہ چاہا، تب بھی عرب کو ملیامیٹ کر دوں گا" لیکن یہی رستم جب لیلۃ الہریر کے معرکے میں پیٹھ دکھا کر بھاگا اور نہر میں کودا تو ایک بدوی نے اُسے ٹانگوں سے پکڑ کر نہر کے باہر دے مارا اور پھر ضربت تلوار کے بعد اس کی لاش کو خچروں کے پاؤں میں ڈال دیا۔

راز فتح اسلام

ہمارے لئے قابل غور بات یہ ہے کہ بعد اسلام کا عرب قبل اسلام کے عرب سے اس درجہ مضبوط اور طاقتور کیوں ہو گیا؟ آپ اس کا جواب بھی صحابہ کرام کی زبان سے سن لیں جب قیصر روم کی فوجوں نے سینکڑوں ساماںوں کے باوجود مسلمانوں سے قدم قدم پہ شکستیں کھائیں تو اس نے بھی حیران ہو کر اپنے درباروالوں سے ایک عجیب سوال کیا قیصر نے اپنے سرداروں کو جمع کیا اور پوچھا کہ "عرب تم سے زیادہ ہیں، تعداد میں اور جنگی سامان میں بہت کم ہیں، پھر تم اُن کے مقابلے میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے؟" اس وقت ایک بڈھا رومی دربار میں کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا "اے بادشاہ! عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں اور دن کو روزے رکھتے ہیں۔ وہ کسی پہ ظلم نہیں کرتے، وہ آپس میں ایک دوسرے سے برابری کا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ ہم شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، اور دل

Marfat.com

پر ظلم کرتے ہیں۔ یہ اسی فرق کا نتیجہ ہے کہ ان کے ہر ایک کام میں جوش و استقلال پایا جاتا اور ہمارا ہر کام جوش و استقلال سے خالی ہوتا ہے۔"

عزیزانِ اسلام! مسلمانوں کی کامیابی کا راز، اُس زمانے کے عیسائیوں ہی کو معلوم نہ تھا۔ خود مسلمانوں کو بھی معلوم تھا اور وہ قدم قدم پر انہی باتوں کا لحاظ میں رکھتے تھے چنانچہ جب اسکندریہ کے محاصرے نے طول پکڑا اور دیر تک مسلمانوں کو فتح حاصل نہ ہوئی تو حضرت عمرؓ نے اپنے سپہ سالار کو ایک خط لکھا، جس کا ایک فقرہ یہ تھا:۔

"اے مسلمانو! شاید تم عیسائیوں کے علاقوں میں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے ہو، ورنہ فتح میں اس قدر دیر نہ ہوتی؟"

حضرت عمرؓ نے کس قدر سچ فرمایا ہے۔ واقعی جب کسی فوج کے اندر عیش پرستی نہ ہو تو اس کی فتح میں کبھی دیر نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں کی فتح اور کامیابی کے متعلق جو کچھ بدبخت رومی نے قیصرِ روم سے کہا اور جو کچھ حضرت عمرؓ نے اپنے سپہ سالار کو تحریر فرمایا، ان باتوں کا نچوڑ ایک لفظ "ایمان" ہے۔ جب عربوں کو ایمان کی دولت نصیب نہ تھی، ایک ایرانی یا ایک رومی دس عربوں پر غالب تھا لیکن جب عربوں کے دلوں میں ایمان کا نور چمکا، تب ایک عرب دس ایرانیوں اور دس رومیوں پر غالب آگیا۔ اے ناامید مسلمانو! اگر آپ آج بھی عزت و حکومت کے طالب ہیں، تو اپنے کھوئے ہوئے ایمان کی تلاش میں نکلیں، آپ اپنے دلوں میں نورِ ایمان کو چمکائیں اور اپنی زندگی میں پھر وہی اخلاق و اوصاف پیدا کریں جو لازمۂ ایمان ہیں، اس کے بعد آپ کا

Marfat.com

افلاس، آپ کی ذلتیں اور خواریاں اور آپکے یہ تمام دکھ اور درد ضرور مٹ جائیں گے اور آپ اپنے بزرگوں ہی کی طرح ہر ایک میدان میں فتحمند ہو جائیں گے۔ اسلامی تفوق کا سرچشمہ ایمان ہے۔ اس تیغِ بے پناہ کو پھر بے نیام کیجیے، ارض و سما کی کامیابیاں ایک دفعہ پھر آپکے قدم چوم لیں گی۔

Marfat.com

خطبۂ ششم

اسمٰعیلؑ اور حسینؑ کا مشن

"آزمائش، جہاد، شہادت"

زندگی کا قرآنی معیار خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ۔ قرآن کہتا ہے، خدا تعالیٰ نے یہ موت اور زندگی کا سلسلہ اس لئے بنایا ہے تاکہ وہ تمہارا امتحان کرے اور یہ دیکھے کہ تم میں اچھے اعمال کون کرتا ہے؟ اسی طرح سورہ عنکبوت میں ہے:۔

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَکُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَھُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۔
کیا خیال کرتے ہیں لوگ کہ وہ چھوڑ دیئے جائیں گے صرف اٰمَنَّا کہنے پر اور وہ نہیں آزمائے جائیں گے۔

ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ کوئی بھی انسان، وہ مسلم ہو یا غیر مسلم، اللہ

تعالیٰ کی پرکھ کے بغیر درجہ قبولیت حاصل نہیں کر سکتا۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زبان سے آمنّا کہہ دیا، استغفار پڑھ لیا، درود شریف کا ورد کر کے سینے پر پھونک لگائی اور کلمۂ شہادت کی تسبیح پوری کر کے چہرے پر ہاتھ پھیر لئے اور اسی سے نجات ہو جائیگی، وہ غلطی پر ہیں۔ آیت کہتی ہے کہ جس طرح ایک سنار کھرے اور کھوٹے سونے کو پرکھتا ہے، اسی طرح تم بھی اس دنیا میں پرکھے جاؤ گے، تم پر مصیبتیں پڑیں گی، امتحان آئیں گے نقصانات ہوں گے، گھر لٹیں گے، اولادیں کٹیں گی، جرمانے ہوں گے، قیدیں ملیں گی اور پھانسیاں آئیں گی، پھر بھی جو شخص پورا اترے گا، وہ سچا ہے اور فضل و رحمت کا مستحق۔ اور جو پورا نہیں اترے گا، وہ جھوٹا ہے اور اس کے زبانی دعوے سب فضول ہیں۔ پس قرآن کے نزدیک کسی بھی شخص کی نجات اور قبولیت کا معیار نہ خاندان ہے، نہ امیری، نہ حسن و جمال، نہ مذہبی نسبت اور نہ کسب و فن کا کمال۔ اس کے ہاں قبولیت کی کسوٹی آزمائش ہے اور اس کی نگاہ میں کامیاب انسان وہی ہے جو اس کسوٹی پر پرکھا جائے اور پھر پورا اترے۔

آزمائش کی حقیقت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ جب خدا سب کچھ جانتا ہے تو اسے بندوں کا امتحان لینے کی کیا ضرورت؟ یہ اعتراض وہ لوگ کرتے ہیں جو امتحان کے معنی نہیں جانتے۔ اگر وہ غور کرتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ انسانی زندگی میں دو چیزیں بالکل ساتھ ساتھ چل رہی ہیں۔ ایک طرف خدا کی نعمتیں ہیں یعنی آنکھ، زبان، عقل، دولت، زندگی اور اولاد وغیرہ۔ دوسری طرف

خدا کے احکام ہیں یعنی توحید، نماز، روزہ، زکوٰۃ، خیرات، عدل، حق گوئی اور جہاد۔ امتحانِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ آپ نعمتِ الٰہی کو حکمِ الٰہی کے مطابق استعمال کرتے ہیں یا خلاف؟ اگر مطابق استعمال کرتے ہیں تو آپ پاس ہیں، ورنہ فیل ہیں۔

موجودہ مسلمانوں کی غلطیوں اور خام خیالیوں میں سب سے بڑی غلطی اور خام خیالی یہ ہے کہ وہ عمل و امتحان کے بغیر کامیابی کے امیدوار بنے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ آرام سے بیٹھے رہیں۔ بسترِ راحت پر لیٹے رہیں، کوئی تکلیف نہ اٹھائیں۔ نہ روپیہ خرچ کریں، نہ وقت دیں، نہ خون بہائیں اور اسی طرح بیٹھے بیٹھے صرف تعویذ لکھ کر، یا وظیفے پڑھ کر، یا زبان ہلا کر، دنیا اور آخرت کی نعمتوں کے وارث بن جائیں۔ غور کیجئے۔ دنیا میں کبھی ایسا ہوا؟ یا ہو سکتا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ خدا کا خلیل کون ہوگا؟ مگر آپ بھی جب تک بیسیوں آزمائشوں سے نہیں گذرے، امام نہیں بنائے گئے، سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ، فَأَتَمَّهُنَّ، قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا۔

اور جب آزمایا، ابراہیمؑ کو، اُس کے خدا نے، چند باتوں میں، پھر اُس نے پورا کر دیا ان کو، تو کہا، میں تجھ کو ضرور بناتا ہوں، لوگوں میں امام۔

پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ خدا کا مقبول کون ہوگا مگر آپ بھی

جب تک بیس برس تک غموں کے شکنجے میں کسے نہیں گئے، فتح کی صورت نمودار نہیں ہوئی، آخر میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے دردناک واقعات ہیں، کس قدر سخت امتحانات کے بعد آپ کو جوانانِ جنت کی سرداری ملی؟ سورۂ محمدؐ دیکھئے، اس میں کس طرح معاملہ صاف کردیا گیا ہے؟ ارشاد ہوتا ہے :-

وَ لَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ اور اگر چاہتا اللہ وہ خود سزا دیتا

مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا کفار کو لیکن وہ چاہتا ہے کہ آزمائے

بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ط بعض کے ذریعہ سے بعض کو۔

بتایا گیا ہے کہ اس مالک الملک نے یہی آئین پسند کیا ہے کہ یہاں مختلف جماعتوں میں ٹکراؤ ہو، اور پھر دیکھا جائے کہ کون حق پر قائم رہتا ہے اور کون باطل کی پیروی کرتا ہے؟ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے آل واصحاب کا اسی طرح امتحان لیا گیا تھا۔ انہوں نے پتھر کھائے، پیٹ پر پتھر باندھے، خندقیں کھودیں درختوں کے پتے کھائے، میدانِ جنگ میں اترے، بھوک، پیاس اور گرمی سردی کی تکلیفیں اٹھائیں، راتوں جاگے، پہرے دیئے، دعائیں بھی کیں اور تلواریں بھی چلائیں خود مرے اور دوسروں کو مارا اور اس کے بعد کامیاب ہوئے۔ اب اگر مسلمان یہ چاہیں کہ صرف دعاؤں سے، صرف نمازوں سے، صرف پیری مریدی سے اور صرف دم درود سے دشمنوں کی طاقت کو توڑ دیں تو یہ کبھی نہ ہوگا، نہ پہلے کبھی ایسا ہوا ہے اور نہ آئندہ کبھی ایسا ہوگا۔ وہ مسلمان جو بغیر عمل و امتحان کے کامیابی کی امیدیں باندھے

ہوتے ہیں سورہ آل عمران کا فیصلہ سن لیں۔ ارشاد ہوتا ہے :-

لَتُبْلَوُنَّ فِیْٓ اَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ وَلَتَسْمَعُنَّ

تم ضرور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور جانوں میں اور تم ضرور سنو گے

مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکُمْ وَمِنَ الَّذِیْنَ

اپنے سے پہلے اہل کتاب سے اور مشرکین سے

اَشْرَکُوْٓا اَذًی کَثِیْرًا ط وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا

بہت تکلیف کی باتیں پھر اگر تم صبر کرکے دکھاؤ اور تقوے پر جمے

فَاِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ،

رہو تو بیشک یہ بڑی ہمت اور جوانمردی کا کام ہے۔

آیت کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ کو منظور ہی یہ ہے کہ مسلمان کفار سے ٹکر لگائیں۔ جان اور مال کی قربانیاں دیں، مصیبتوں پر صبر کرکے دکھائیں اور اس کے بعد ایمان کا ورثہ حاصل کریں۔ ایک دفعہ پیغمبر اسلام نے فرمایا :- مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب کہ تمام دنیا کی قومیں اُن پر اس طرح ٹوٹ پڑیں گی جس طرح بھوکوں کا گروہ کھانے کے رکاب پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ صحابہ کرام نے پوچھا اس کا سبب کیا ہوگا؟ ارشاد فرمایا :- حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاہِیَۃُ الْمَوْتِ ، دنیا کی زیادہ محبت اور موت کا زیادہ خوف۔ ارشادِ نبوی کا مطلب یہ تھا کہ جب مسلمانوں میں تعلیم حق کے سبب جان و مال قربان کرنے کی طاقت باقی نہ رہے گی تو وہ گر جائیں گے

Marfat.com

اور زبردست اقوام کا لقمہ بن جائیں گے۔ آج اگر غیر طاقتیں ہم مسلمانوں کو ہیچ خیال کرتی ہیں، تو یہ صرف اسی لئے کہ ہم میں اتفاق و اتحاد کے ساتھ راہ اسلام میں جانی اور مالی قربانیاں دینے کی طاقت کمزور پڑ گئی ہے۔

آزمائش کا منتہا۔ جہاد

قربانی اور امتحان کی آخری شکل جہاد ہے۔ جہاد کا لفظ قعود کی ضد ہے۔ قعود کے معنی ہیں۔ بیٹھ جانا، سست ہو جانا، قید اور غفلت میں گر پڑنا۔ اور جہاد کے معنی ہیں:۔ اپنے فرائض میں ڈٹ جانا، اپنی تمام قوتوں کو ادائے فرض میں لگا دینا اور مخالف طاقتوں کے سامنے کھڑے ہو جانا۔ مجاہد کی زندگی کے دو پہلو ہوتے ہیں، ایک پہلو یہ کہ وہ اپنے آپ کو مٹاتا ہے اور دوسرا پہلو یہ کہ اپنی قوم اور دین کو بناتا ہے۔ اگر مزدور جان نہ کھپائے تو مکان نہیں بنتا۔ اگر علماء دماغ سوزی نہ کریں تو کتابیں تیار نہیں ہوتیں۔ مردانِ جہاد کا حال بھی یہی ہے، وہ خود مٹ جاتے ہیں اور اپنے ملک اور دین کو زندہ کر دیتے ہیں۔

جہاد کے اقسام و فضائل

صرف تلوار چلانا ہی جہاد نہیں ہے۔ آپ زندگی کی کسی بھی قوت کو دشمن کے خلاف استعمال کیجئے، آپ مجاہد ہوں گے۔ اگر آپ اپنے نفس کو برائیوں سے روکتے ہیں تاکہ وہ مقابلۂ اعداء کے قابل بن جائے تو آپ مجاہدِ نفس ہیں۔ اگر آپ مجاہدین کو مالی امداد دینے کے لئے روپیہ کماتے ہیں تو آپ مجاہد ہیں، مالی مجاہد، کیونکہ جیب تک روپیہ

نہ ہوا کوئی جہاد کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ دینی یا سائنسی علوم پڑھتے ہیں اس غرض سے کہ آپ علمی دلائل یا جنگی ایجادات سے دشمنانِ اسلام کو نیچا دکھائیں تو پھر بھی آپ مجاہد ہیں، علمی اور روحانی مجاہد۔ کیونکہ جب تک علم کی طاقت موجود نہ ہو، قوم فتحمند نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ حق کا اعلان کر کے عوام کو باطل طاقتوں کے خلاف کھڑا کرتے ہیں، تو آپ پھر بھی مجاہد ہیں، مجاہد قولی۔ اگر آپ جنگ کی بھٹی میں کود کر پروانہ وار فدا ہو جاتے ہیں تو آپ پھر بھی مجاہد ہیں، جانی مجاہد۔ یہ جہاد کا آخری درجہ ہے۔

چونکہ جہاد شہادت کا زینہ ہے، اس لئے شریعت میں جہاد کے فضائل پر بہت زور دیا ہے۔ صحابہؓ نے پیغمبرِ اسلام سے پوچھا۔ یا رسول اللہ! سب سے زیادہ مقبول عمل کونسا ہے؟ اس پر حکم آیا: اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس کی راہ میں سیسہ پگھلائی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر جنگ کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنت تلواروں کے سایہ میں ہے۔ حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ کوئی انسان جو ایک دفعہ جنت میں پہنچ جائے، پھر دنیا میں آنے کی خواہش نہیں کرتا، لیکن غازی اور شہید ہر وقت یہ آرزو کرتے ہیں کہ ہم دنیا میں دس مرتبہ لوٹ لوٹ کر جائیں، ہر مرتبہ شہید ہوں اور اللہ سے درجات حاصل کریں۔ پیغمبرِ اسلام نے فرمایا:۔ اگر کسی مجاہد کے قدموں پر راستہ کی گرد بھی پڑ جائے تو اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گی۔ حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے:۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلایئے، جو جہاد کے ہم پلہ ہو۔ فرمایا:۔ اے مسلمان!

جہاد کے برابر کوئی عمل نہیں ہے۔ پھر فرمایا، کیا یہ ممکن ہے کہ جب غازیانِ اسلام جہاد کے لئے نکلیں تو تم مسجد میں داخل ہو کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔ پر ایسا کھڑے ہو اور کبھی اپنی نماز شکست نہ ہونے دو، پھر روزہ رکھو اور اس طرح روزہ رکھو کہ اسے افطار ہی نہ کرو۔ صحابی نے عرض کیا:۔ یا رسول اللہ! ایسی لگاتار نماز اور ایسے لگاتار روزے کس طرح ممکن ہیں؟ اس کے بعد حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:۔ اگر یہ ممکن نہیں تو پھر کوئی شخص مجاہدین کی برابری کس طرح کر سکتا ہے؟ مجاہدین کا تو یہ حال ہے کہ اگر ان کا گھوڑا چھلانگ لگا کر اپنی رسّی بھی تڑوا لے، تو یہ چیز بھی ان کی نیکیوں میں شمار ہو جاتی ہے۔

شہید کیوں زندہ ہیں؟

خدا کا ارشاد ہے:۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ

اور نہ کہو ان کو جو قتل کئے جائیں اللہ کی راہ

أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ۔

میں مُردہ نہیں وہ زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے۔

سَبِيلِ اللّٰهِ کے معنی ہیں، اللہ کی راہ، یعنی صراطِ مستقیم۔ مطلب یہ کہ جو لوگ اسلام کے اصولوں پہ کھڑے رہ کر جان دے دیں، آپ انہیں مُردہ نہ کہیں، وہ زندہ ہیں۔ شہدائے حق کو زندہ قرار دینے کی تین توجیہات ہیں۔ اول یہ کہ چونکہ انہوں نے زندگی کا حق ادا کر دیا ہے، اس واسطے اصل زندہ وہی ہیں۔ دوم یہ کہ چونکہ انہوں نے ایک زندہ

Marfat.com

خدا، زندہ تعلیم اور زندہ دین کے لئے جان دی ہے، اس لئے زندگی انہیں ہمیشہ یاد رکھے گی۔ اور اس لحاظ سے وہ زندہ ہیں۔ سوم یہ کہ چونکہ انہوں نے ہزارہا لوگوں کے اندر زندگی پیدا کرنے کے لئے جان دی ہے، اس واسطے وہ اپنی ایک زندگی کے بدلے میں صدہا زندگیاں پائیں گے اور اس لئے بھی وہ زندہ ہیں۔

شہدا کو زندہ قرار دینے کہ ہر زندہ انسان کو ترغیب دی گئی ہے کہ وہ زندگی چاہتا ہو تو شہدا کی پیروی کرے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ زندہ شخصوں پر ماتم نہیں کیا جاتا، اس لئے کوئی شخص شہدا پر ماتم نہ کرے۔

شہید کے معنی ہیں گواہ۔ شہادت کے معنی ہیں گواہی دینا۔ اگر کوئی شخص ایک بات کہے اور پھر اس پر قائم رہ کر جان قربان کر ڈالے تو اس کے متعلق ہر شخص یہی کہیگا "اگر وہ بے غرض اور راست باز نہ ہوتا تو اپنے قول پر اپنی جان فدا نہ کر سکتا" کسی قول یا عقیدہ پر جان دینے والے لوگ درحقیقت اس قول اور عقیدہ کی سچائی کے گواہ ہوتے ہیں اور اس لئے جن لوگوں نے اسلام کی پیروی میں جانیں دی ہیں، وہ درصل اسلام کی صداقت کے گواہ ہیں اور اسی لئے انہیں شہید کہا جاتا ہے۔ سورۂ بقر کی یہ آیت دیکھیے:۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اس آیت میں پیغمبر اسلام اور امت مسلمہ دونوں کو شہید قرار دیا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ منشاء الہی یہ تھا کہ پیغمبر اسلام، اور امت اسلام پر جان دیں اور اپنی شہرت کے لئے صداقت اسلام کے گواہ بن جائیں۔

اس کے بعد یہ اُمت اطاعتِ اسلام میں جان دے اور نوعِ انسان کے لئے صداقتِ اسلام کی گواہ بن جائے۔

پیغمبرِ اسلام اور آپ کے صحابہ نے جس اساس پر اپنی جانیں فدا کیں، وہ یہ تھی کہ اگر کوئی انسان اپنے جیسے انسانوں پر حکم چلائے تو اُسے مقامِ اقتدار پر باقی نہ چھوڑا جائے، اس لئے کہ قیصریت یا انسان کی انسان پر بادشاہی، روئے زمین کا سب سے بڑا شرک، ظلم اور فساد ہے۔

قیصریت کے اصول

بعض ظالم انسانوں نے ہزارہا انسانوں کا خون بہانے کے بعد قیصر، سلطان، بادشاہ، قومی جمہوریت یا ڈکٹیٹر شپ کے نام سے دنیا میں اپنے لئے خدائی اقتدار پیدا کر رکھا ہے۔ جن کے بنیادی اصول یہ ہیں :-

۱۔ زمین اور اس کی پیداوار بادشاہ کی ملکیت ہے، وہ جسے چاہے دے اور جس سے چاہے چھین لے۔

۲۔ حکومت کرنے کا حق بادشاہ کو ہے یا اس کی اولاد کو یا اس کے نامزدوں کو خواہ وہ کس قدر بھی نالائق کیوں نہ ہو۔ دوسرے انسان ان کے غلام ہیں۔

۳۔ جو کچھ بادشاہ یا پارلیمنٹ کی زبان سے نکل جائے، وہ رعیت کے لئے قانون ہے۔

۴۔ دنیا کی تمام نعمتیں اور دولتیں بادشاہ یا اس کی قوم کے عیش و آرام کے

Marfat.com

لئے بنی ہیں اور خزانہ شاہی اُن کی ذاتی ملک ہے۔ اگر وہ حق دار کو محروم رکھیں یا غیر حقدار کو بخشیں تو اُن سے باز پرس نہیں کی جا سکتی۔

۵۔ رعیت جو کچھ کماتی ہے وہ بادشاہ کا مال ہے کسی شخص سے جتنا چاہے چھین سکتا ہے۔

۶۔ دنیا کی حسین ترین عورتیں بادشاہ کے عیش و نشاط کے لئے ہیں، وہ جتنی بھی عورتیں چاہے، اپنے محل میں بھر سکتا ہے۔

۷۔ انسانوں کی زندگی بادشاہ کے رحم پر موقوف ہے۔ وہ جسے چاہے قتل کرادے اور جسے چاہے چھوڑ دے۔ اگر کسی شخص یا قوم کی رائے بادشاہ کے خلاف ہو تو ان کے مال و منال، اہل و عیال اور دیار و امصار سب قتل و غارت اور تباہی و بربادی کے مستحق ہیں۔

جب حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دُنیا میں تشریف لائے تو ایسے ہی بادشاہ، حاکم اور سردار ہر جگہ نوعِ انسان پر مسلط تھے۔ ان پیغمبروں نے اس صورتِ حالات کو شرک قرار دیا اور اپنی طرف سے جو تعلیم پیش فرمائی وہ قیصریت (امپیریلزم) کی بنیادوں کو بالکل ڈھا دینے والی تھی۔ اس تعلیم کا خلاصہ یہ تھا:۔

۱۔ حکومت کا حق خدا کو ہے۔ اس نے نوعِ انسان کے لئے جو قوانین بھیجے ہیں سب کے سب انسانوں کو بلا امتیاز اُن کی اطاعت کرنی چاہیئے۔

Marfat.com

۲۔ زمین کے اندر جس قدر بھی نعمتیں اور دولتیں پیدا کی گئی ہیں، وہ سب انسانوں کے لیے ہیں۔

۳۔ تمام انسانوں کو ایک قوم اور برادری بن کر خدا تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اُٹھانا چاہیئے۔ اس بارے میں رنگ، نسل، زبان، خاندان، وطن کی تفریق وغیرہ کرنا غلط ہے۔

۴۔ قانونِ الٰہی کے مطابق انتظامِ انسانیت کے لیے جو صورت اختیار کی جائے، اس کا چلاؤ سب لوگوں کے مشورہ پر ہونا چاہیئے۔

موازنہ خلافت و قیصریت

اب آپ قیصریت اور اسلام کے نظریوں کا مقابلہ کیجیئے۔ نظامِ قیصریت یہ کہتا ہے کہ زمین اور اس کی تمام پیداوار کا مالک بادشاہ ہے، اسلام کہتا ہے کہ سب انسان مالک ہیں۔ بادشاہت کہتی ہے کہ ایک شخص حاکم ہے اور باقی تمام انسان اس کے غلام ہیں۔ اسلام کہتا ہے کہ حکومت صرف خدا کا حق ہے، انسان سب آزاد ہیں اور بھائی بھائی۔ بادشاہت میں ہر معاملہ بادشاہ کی زبان پر چلتا ہے مگر اسلام کے نزدیک تمام معاملات مشورے سے طے ہونے چاہئیں۔ بادشاہت میں فرض کر لیا گیا ہے کہ جو بھی بچہ کسی شاہی خاندان میں پیدا ہو جائے، وہ بادشاہ ہے اسلام کے نزدیک "شاہی خاندان" کی اصطلاح بالکل باطل ہے، وہ کہتا ہے کہ پبلک کو اپنا صدر یا امیر خود چننا چاہیئے۔ قیصریت میں "بادشاہ" پر کوئی قید نہیں، وہ کسی کو مار

کسی کو چھوڑ دے، خزانہ عامرہ رکھے یا لٹائے، اس پر کوئی گرفت نہیں۔ مگر اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر صدر حکومت خزانہ عامرہ کی ایک پائی بھی اپنے ذاتی خرچ میں لائے یا حدودِ الٰہی کے خلاف ایک طمانچہ کسی کو لگا دے تو اس پر دعویٰ ہونا چاہیئے اور اس کو سزا ملنی چاہیئے۔

اب علمبرداران خلافت و قیصریت کی عملی حالتوں کا موازنہ کیجیئے۔ بادشاہت کا نمونہ یہ ہے کہ ایک عظیم الشان محل ہے، جس کے چاروں طرف باغات، چشمے اور فوارے ہیں، باغات کے گرد فصیل ہے۔ ہر دروازے پر ننگی تلواروں کے پہرے ہیں، کوئی معزز سے معزز انسان بھی بلا اجازت دیوار باغ یا فصیلِ قلعہ کے قریب نہیں آسکتا، بادشاہ سونے چاندی کے تخت پر بیٹھتا ہے، ریشم اور اطلس کی پوشاک ہے لعل و زمرد کا تاج ہے، جو شخص سامنے آتا ہے کئی کئی مرتبہ جھک کے سلام کرتا ہے، نذرانہ پیش کرتا ہے اور پھر گردن جھکائے دست بستہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ بادشاہ کے ایک طرف جلاد تلواریں لئے کھڑے ہیں اور دوسری طرف خلعتوں اور خزانوں کے ڈھیر ہیں۔ ایک اشارے پر گردنیں اڑ جاتی ہیں اور دوسرے اشارے پر خزانوں کے منہ کھل جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ ان پیغمبران الٰہی نے سیاسی دنیا کی روح کو بدل ڈالا، بادشاہوں کے تخت الٹ دیئے اور ان کی جگہ خادمت تن کے تختے بچھا دیئے۔ قیصر و کسریٰ کی جگہ ان لوگوں کو ملی، جو نان جویں کھاتے تھے اور

مزدوروں کی طرح رات اور دن خلقِ خدا کی خدمت کرتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے، تو ایک بدوی لڑکی نے کہا، اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟ فرمایا، اب بھی ابوبکر یہ خدمت انجام دے گا۔ آپ نے موت کے وقت فرمایا، مجھے انہی کپڑوں میں دفن کر دیا جائے۔ بیٹی نے کہا، آپ کے لئے نیا کفن نیا رہے۔ فرمایا:۔ اس کی ضرورت زندوں کو زیادہ ہے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ کو دوا کے لئے چند تولے شہد کی ضرورت تھی۔ اگرچہ سرکاری بیت المال میں کافی شہد موجود تھا، مگر آپ نے اُسے خود لینے کی جرأت نہیں کی۔ ایک پبلک اجتماع کیا گیا۔ پھر خلیفہ وقت نے اُن کے سامنے درخواست کی کہ اگر آپ صاحبان خوشی سے اجازت دیں تو میں تھوڑا شہد لے سکتا ہوں۔

حضرت عمرؓ ایک دن سرکاری اونٹوں کو تیل مل رہے تھے۔ پاس سے ایک شخص نے کہا، کسی غلام نے یہ کام کر دیا ہوتا۔ ارشاد فرمایا:۔ اللہ کا مجھ سے زیادہ اور کون غلام ہے؟ ایک دوست نے ایک دفعہ میدے کی روٹیاں بھیجیں، آپ نے پوچھا:۔ کیا میرے ملک میں سب مسلمانوں کو ایسی روٹی ملتی ہے؟ جواب ملا، سب کو تو نہیں ملتی۔ ارشاد فرمایا:۔ تو پھر مجھ کو بھی درکار نہیں۔ یہ تھے ابراہیمی تعلیم کے آخری نتائج دنیا میں ایک نظام تو شروع ہو گیا۔ ظالمانہ بادشاہت کی دنیا مٹادی گئی اور خلافت کو خدمتِ خلق سمجھ کر کام کرنے والے میدان میں آگئے۔ جب نظمِ دنیا کے فرائض اس طرح ادا کئے گئے، تو کروڑوں مصیبت زدہ انسان اسلام کے رنگ میں

منگے گئے اور خلق خدا کو اس قدر روحانی اور علمی فوائد حاصل ہوئے جو دس ہزار سالوں میں بھی حاصل نہیں ہو سکتے۔

داستان عہد زوال

حضرت علیؓ کے بعد امیر معاویہ خلیفہ ہوئے اور اس کے بعد جلد ہی وہ دن آگیا جو ہمارے نزدیک تمام نوع انسان اور دنیائے اسلام کی بدقسمتی کا سب سے بڑا دن تھا۔ اپنی آخری عمر میں امیر معاویہ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمدؐ کے طریق خلافت کو ختم کر کے از سر نو بادشاہت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ انہوں نے مغیرہ بن شعبہ کی رائے سے اپنے بیٹے یزید کو اپنا ولی عہد بنا کر اس کی بیعت لینا شروع کر دی امیر معاویہ کے اس فیصلہ نے اس نئے نظام کی بنیادوں کو ہمیشہ کے لئے ملیامیٹ کر دیا۔ جو حضرت ابراہیمؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں دلسوزیوں کے بعد اس دنیا میں قائم کیا تھا۔ اور یہ دنیا، سیاسی لحاظ سے ایک دفعہ پھر اسی "شاہ پرستی" کے غار میں گر گئی، جس سے اُسے نکالا گیا تھا اور اسلام کو ایک ایسا دھچکا لگا کہ اسے آج تک پھر سنبھلنا نصیب نہیں ہوا۔ امیر معاویہ کے بعد یزید بادشاہ ہوا۔ اسکی تخت نشینی کا اصول ہی باطل تھا، اس واسطے امام حسینؓ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے نقش قدم پہ کھڑے ہو کر اس کی بیعت سے انکار کر دیا، اور اہل کوفہ کی پکار پر امید و عوتوں پر عیال و انصار کے ساتھ عازم کوفہ ہو گئے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ کو ابھی آپ کربلا ہی میں پہنچے تھے کہ یزید کی فوجوں نے آپ کو گھیر لیا اور ۷۲ رفیقوں کے ساتھ بڑی بے دردی سے

شہید کر ڈالا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت اسمٰعیلؑ اور امام حسینؓ

یہ محرم ۶۱ھ کا واقعہ ہے مگر اس کے بعد آج تک قریباً تمام دنیائے اسلام اسی پادشاہت کے دو رُخ ہیں چل رہی ہے۔ افسوس کہ امام حسینؓ کے بعد کوئی دوسرا حسینؓ پیدا نہیں ہوا، جو ابراہیمی اور محمدی نظام خلافت کو زندہ کرنے کا نصب العین سامنے رکھ کر اپنا خون بہاتا۔ اس معاملہ میں سب سے زیادہ افسوس امام حسینؓ کے نام لیواؤں پر ہے کہ انہوں نے امامؓ کے ماتم کو یاد رکھا، مگر اُن کے مشن کو بھلا دیا۔ محرم الحرام کا ایک ایک دن مسلمانوں کے لئے عزم و جہاد کی یاد دہانی تھا۔ مگر افسوس ہم پر کہ ہم نے اس زندگی کے مہینے کو اپنے لئے موت اور ماتم کا مہینہ بنا لیا ہے اور ہماری اصل غلطی یہ ہے کہ ہم نے فرزند ابراہیمؑ، اور فرزند محمدؐ کی مناسبت باہمی کو نہیں سمجھا۔ حالانکہ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت حسینؓ بھی ایک ہی سلسلے کی دو کڑیاں ہیں ایک مہینہ پہلے ذوالحجہ میں حضرت اسمٰعیلؑ آتے ہیں اور اپنی گردن چھری کے نیچے رکھ کر ہم کو بتا دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کو یوں زندہ رہنا چاہیئے۔ اس کے بعد ہی محرم کے مہینے میں امام حسینؓ تشریف لاتے ہیں اور تیغ یزید کے نیچے اپنی گردن کٹا کر ہم کو بتا دیتے ہیں کہ ایک مسلمان کو اس طرح مرنا چاہیئے۔ ان دونوں تصویروں میں مسلمان کو یہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم مسلمان ہو تو حضرت اسمٰعیلؑ کی طرح زندہ رہو اور حضرت حسینؓ کی طرح جان دو۔ جس طرح عیدِ قربان کی یادگار حضرت

Marfat.com

اسمٰعیلؑ کی قربانیوں کا سراپا ہے۔ اسی طرح محرم کی یادگار کو امام حسینؓ کی شہادت کا سراپا ہونا چاہیئے۔ آؤ، عید اور محرّم کو اس طرح منائیں کہ مسلمانوں کے ایک ایک بچے میں استبداد و غلامی کے خلاف اپنی گردن کٹانے کا ولولۂ عام پیدا ہو جائے۔ یہ بڑی ہی مسخرگی ہے کہ مسلمان ہر سال ایک کاغذی تابوت کے سامنے ایک گھوڑا کر کے اپنا سر و سینہ پیٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ ہم سنّی اور شیعہ نوجوانوں کے خون گرم سے اپیل کرتے ہیں کہ عید قربان اور محرم الحرام کے چاند موحدانہ نعروں، مجاہدانہ تقریروں، قومی مظاہروں اور مسلّح جلوسوں کے ساتھ طلوع ہونے چاہئیں۔ آؤ! پیغمبر ذبیح اور امام شہید کے خون سے آزادیٔ انسانیت کی سرخیاں حاصل کریں۔

Marfat.com

خطبۂ ہفتم

دورِ زوال کے مسلمان

فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاهِدِیْنَ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا۔

حرکتِ ذہن کے چکّہ میں ایمان، جب رسمی اور لفظی ہو، تو ذہن کے ہم پلّہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں بے اختیار ہو کر نکلتے ہیں اور پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں تو یہ ایمان ہے، لیکن اگر آپ حکمِ الٰہی کو سنتے ہیں اور بے حسّی کے ساتھ مُردہ دل ہو کر بیٹھ جاتے ہیں تو یہ ذہن ہے آپ دونوں کی حقیقت دو تاریخی مثالوں سے سمجھیں:-

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے پہلی مرتبہ اپنے صحابہ کو جہاد کی دعوت دی تو حضرت سعد بن معاذ اسی وقت کھڑے ہو گئے اور فرمایا:- اے اللہ کے رسول ہم کفّار سے ضرور جنگ کریں گے۔ ہم آپ کے آگے اور پیچھے، دائیں اور بائیں ہوں گے اور تلواریں چلائیں گے، اگر آپ حکم دیں گے تو ہم سمندروں میں کود پڑیں گے اور چشمہ عزن تک آپ کے ساتھ چلے جائیں گے۔ یہ ایمان کی مثال ہے۔ ایمان ہمیشہ حکمِ الٰہی کی تعمیل میں ایسی ہی مستعدی ظاہر کرتا ہے۔

Marfat.com

اب وہن کی مثال سنیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبائل یہود کو جہاد کی دعوت دی تو انہوں نے جواب دیا:۔ فَاذْهَبْ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ۔ اے موسیٰ! تم اور تمہارا رب جنگ پر چلے جائیں، ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ یہ وہن تھا۔ ایمان جہاں بھی ہو، اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل میں دوڑے۔ اور حرکت کرے۔ مگر یہی ایمان جب وہن سے بدل جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ وہ بیٹھا رہے۔ یا اس طرح لیٹے کہ پھر کبھی نہ اٹھے۔ حضرت ابراہیم نے خواب میں دیکھا کہ بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں۔ دوسرے ہی دن وہ اسے عملاً بھی ذبح کرنے لگے۔ آپ کی یہ گرم جوشی، ولولہ ایمان کا جوش تھا۔

جب کسی قوم کے افراد، وہن کا شکار ہو جائیں تو وہ قوم عمل وجہاد، اٹھان اور انقلاب کے قابل نہیں رہتی، البتہ چند خوش خیالیاں اور رسمی دل بہلاوے ہوتے ہیں۔ ہر شخص انہی میں مگن ہو جاتا ہے اور اپنی موجودہ ذلتوں سے بے احساس ہو کر اپنے اوقات پورے کرتا ہے۔ آج بے شمار مسلمانوں کی حالت یہی ہے، یعنی اپنی عملی ذلتوں سے بے احساس اور خوش اعتقادیوں سے مسرور۔ آئیے، اس امر کو سمجھیں کہ جب یہ عظیم الشان قوم، ابراہیمی ایمان کو کھو بیٹھی، تو اب کیسی کیسی خوش خیالیوں میں زندگی کے دن پورے کر رہی ہے۔

۱۔ شفاعت کی آس بے شمار مسلمان شفاعت کی حقیقت سے بے خبر ہیں

مگر شفاعت کی آس پر زندہ ہیں، یعنی وہ اسی امید پر چوری، بدکاری، شراب، زنا، غیبت اور قوم فروشی کا ارتکاب کئے جا رہے ہیں کہ پیغمبرِ اسلام جب بارگاہِ الٰہی میں جائیں گے اور جب تک ایک ایک گنہگار کی خلاصی نہیں ہو جائے گی، واپس نہیں لوٹیں گے۔ آپ ان حضرات کی عقلمندی دیکھئے وہ بڑی بے تکلفی سے شفاعت کی امید میں گناہ پر گناہ کئے جا رہے ہیں۔ اگر آپ انہیں سمجھائیں، تو وہ اسی وقت مرنے مارنے پر آمادہ ہو جائیں گے، کوئی کہے گا "لیجئے، یہ مردود شفاعت کا بھی منکر ہو گیا ہے" کوئی کہے گا "شفاعت تو صرف گنہگاروں کے لئے ہے، نیک بندوں کو شفاعت کی ضرورت ہی کیا ہے" اور پھر لطف یہ ہے کہ یہ لوگ جوشِ عقیدت میں نہ شفاعت کے قبول کرنے والے خدا کی بات سنتے ہیں، اور نہ شفاعت کرنے والے رسولؐ کی، کوئی گناہ چھوٹا ہو یا بڑا، اُن کی جزا کے متعلق خدا تعالیٰ کا اٹل قانون یہ ہے:۔ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ، جو شخص ایک ذرہ بھر برائی کرے گا، وہ اس کا بدلہ ضرور دیکھے گا، شفاعت کے متعلق قانونِ خداوندی یہ ہے:۔ "لَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ"، یعنی پیغمبرِ اسلام اُسی کی شفاعت فرمائیں گے۔ جس پر خدا راضی ہو گا، ارشادِ نبوی یہ ہے، مَنْ تَرَكَ سُنَّتِي لَمْ يَنَلْ شَفَاعَتِي، جس شخص نے میری سنت کو ترک کیا اسے میری شفاعت حاصل نہیں ہو گی۔

احادیث میں ہے کہ جب وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ کی آیت میں نبیِ خدا کو حکم ہوا، کہ اپنے رشتہ داروں کو ڈراؤ، تو حضورؐ نے بنی کعب، بنی مرّہ، بنو

Marfat.com

عبد شمس، بنو عبد مناف، بنو عبد المطلب، بنی ہاشم وغیرہ کو ایک ایک کر کے بلایا، یہاں تک کہ اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو بھی بلایا، اور ارشاد فرمایا "اے فاطمہ! اپنے آپ کو آگ سے بچا، میں تمہارے معاملہ میں خدا کے دربار میں کچھ اختیار نہیں رکھتا، البتہ میرے مال میں سے جو کچھ چاہو تم مانگ سکتی ہو" جب شفاعت کرنے والے رسولؐ خود ہی یہ فرما رہے ہوں، تو کسی جاہل کا یہ کہنا کہ "گناہ کی کیا پروا ہے، رسول اللہؐ خود ہی بخشوا لیں گے" کس طرح صحیح ہو سکتا ہے؟ اگر شفاعت ایسی ہی سستی اور عام ہوتی تو پھر حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ جیسے صحابی خوفِ خدا سے کیوں رات اور دن گریہ و زاری کیا کرتے؟ آیات و احادیث سے جو کچھ صحیح ثابت ہوتا ہے، یہ ہے کہ پیغمبرِ اسلام حکمِ خدا سے شفاعت فرمائیں گے، اور ان لوگوں کی فرمائیں گے، جن پر خدا راضی ہوگا، اور جو سنتِ رسول اللہؐ کے پیرو ہوں گے، خدا تعالیٰ رسول اللہ کی شفاعت پر اپنے فضل سے ایسے لوگوں کے مدارج کو اور زیادہ کر دیگا، یہاں یہ مسئلہ یاد رکھیئے، کہ نیکی کی جزا دینا، خدا تعالیٰ پر واجب نہیں ہے، اگر وہ نیکی کی جزا دے، تو یہ اس کا محض فضل ہے، اور اگر گناہوں کی سزا دے تو یہ اُس کا عدل ہے۔

۲۔ ورد و وظائف کی آس

قرآن پاک قانونِ الٰہی کی کتاب ہے، اور یہ قانون صرف عمل و اطاعت کے لئے بھیجا گیا ہے، مگر آرام طلب مسلمان چونکہ اپنی آرام طلبی اور نفس پرستی سے، یا غیر طاقتوں کے خوف سے قانونِ الٰہی پر چلنے کی تاب نہیں رکھتا۔ اس واسطے اُس نے قرآنی آیات کا ایک

Marfat.com

بہت ہی سستا استعمال ایجاد کر لیا ہے، یعنی یہ کہ وہ قرآن پڑھتا ہے اور مُردوں کو بخش دیتا ہے، یا اپنے ہی سینے پر دو چار پھونکیں لگا لیتا ہے، حالانکہ یہ بالکل صاف بات ہے، کہ اگر کوئی اطاعتِ قرآن سے محروم زندہ مسلمان، کسی اطاعتِ قرآن سے محروم مُردہ مسلمان کو، قرآنِ پاک کے الفاظ پڑھ پڑھ کر ثواب بھیجے، تو اس سے نہ اس زندہ کو کچھ فائدہ ہوگا، اور نہ اس مُردہ کو، تاہم بے شمار مسلمان، عمل و جہاد سے محروم ہونے کے بعد اب اس "خوش خیالی" پر خوش اور مطمئن ہو چکے ہیں۔

مرنے والا مسلمان خوش خوش یہ وصیّت کرتا ہے، کہ میری قبر پہ قرآن پڑھایا جائے، اس مرنے والے کے زندہ دل وارث اس کا مال سمیٹ لیتے ہیں، اور اُس کی قبر پہ قرآن پڑھا کر خوش ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف حضرت حافظ صاحب قرآن پڑھوائی کی اُجرت اور دو وقت کا کھانا لے کر خوش ہو جاتے ہیں، باقی رہا عمل و اطاعت تو اس کی نہ مُردے کو پروا، نہ زندے کو، اور نہ حافظ صاحب کو، مسلمانوں کے تمام وظائف اور اوراد کا یہی حال ہے، انہیں بے شمار خانقاہوں، اور مسجدوں میں یہی بتایا جا رہا ہے، کہ اگر کوئی مسلمان سارا سال گناہ کرتا ہے، اور پھر فلاں وظیفہ دس ہزار دفعہ پڑھ کر اپنے دائیں پہلو پر تین پھونکیں لگا لے، یا فلاں دن کا روزہ رکھ لے، تو بس چشم زدن میں اس کے سب ظلم، فساد، جھوٹ، اور زنا، معاف ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعی مسئلہ ہے، کہ بندوں کا حق، جب تک کہ وہ بندے خود معاف نہ کریں گے کبھی معاف نہیں ہوگا۔

Marfat.com

یادِ خدا کی تمام تر عظمت صرف اس لئے تھی، کہ خدا تعالیٰ بھی ہر وقت یاد رہے اور اُس کا قانون بھی، مقصد یہ کہ جب خدا کے ساتھ، اُس کا قانون بھی ہر وقت یاد رہے گا، تو انسان قدرتاً نافرمانی سے بچ جائیگا، احادیثِ نبوی میں اسی لئے یادِ خدا کے فضائل بیان کئے گئے تھے، لیکن آپ مسلم بے عمل کی عجائب پسندیاں دیکھئے۔ شریعت نے ایک طریقہ، اطاعتِ حکم کے لئے تجویز کیا تھا، مگر وہ اب اسی کو اطاعت سے چھٹکارا پانے کے لئے مشین کے طور پر استعمال کر رہا ہے۔ اس معاملے میں سب سے زیادہ زور درود شریف پر دیا جاتا ہے، درود شریف پڑھنے کا مقصد صرف یہ تھا، کہ رسولِ خدا ہر مسلمان کو یاد رہیں، تاکہ وہ ہر وقت سیرتِ نبوی کا اتباع کر سکے، جس طرح ذکرِ خدا کا مقصد، قانونِ خدا، پر عمل کرنے کی صورت پیدا کرنا تھا، اسی طرح درود وصلوٰۃ کا مقصد، تعلقِ خدا کے دلوں کو اسوۂ رسولؐ کی پیروی کے لئے تیار کرنا تھا مگر اس بارے میں بھی مسلم بے عمل کی پوزیشن بڑی مضحکہ خیز ہو رہی ہے، وہ درود شریف تو شب و روز میں ایک لاکھ دفعہ پڑھ لیتا ہے۔ مگر خُلقِ رسُول پر عمل سال میں ایک دفعہ بھی نہیں کرتا۔ آپ غور کیجئے، آخر اس طرح محض زبان ہلانے سے کچھ فائدہ؟ کَبُرَ مَقۡتًا عِنۡدَ اللّٰہِ اَنۡ تَقُوۡلُوۡا مَا لَا تَفۡعَلُوۡنَ - اللہ کے نزدیک یہ بڑا گناہ ہے کہ آپ زبان سے کہیں مگر عمل نہ کریں۔ غور کیجئے، قرآن پڑھنا، اور قانونِ الٰہی پر نہ چلنا، درود پڑھنا، اور سیرتِ نبوی کا اتباع نہ کرنا، کیا آیت کی زد میں نہیں آئے گا؟

Marfat.com

ایک دن پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: عنقریب ایسا زمانہ آجائے گا، جب کہ اقوامِ عالم مسلمانوں کو اس طرح کھا لینے کے لئے دوڑیں گی، جس طرح بھوکے آدمی کھانے کے رکاب پر لپک پڑتے ہیں" صحابہ نے پوچھا کیا اُس وقت مسلمان تھوڑے ہوں گے؟ فرمایا:- اُن کی تعداد بہت ہوگی، مگر حالت ایسی ہوگی، جیسے دریا کی سطح پہ گھاس پھوس، کہ جس طرف کو موج اُٹھی، اُسی طرف کو بہ نکلے، مسلمانوں کی اس بے وزنی کا سبب یہ کہ ان میں وہن پیدا ہو جائے گا، صحابہ نے پوچھا! یا رسولُ اللہ! وہن کیا ہوتا ہے؟ فرمایا" حُبُّ الدُّنیاَ وَ کَرَاھِیَّۃُ المَوتِ "" دنیا کی محبّت اور موت کا خوف " اس حدیث کا مطلب یہ ہے، کہ اگر قوم کے دل میں مال و اولاد کی محبت گھر کر جائے، تو وہ سہل انگار، آرام طلب، اور راحت پسند ہو جاتی ہے، اور اگر غیر طاقتوں کا خوف سما جائے تو وہ بزدل ہو جاتی ہے، اور یہ دونوں حالتیں ایسی ہیں جس میں وہ قوم اٹھان، انقلاب اور عمل و جہاد کے قابل نہیں رہتی۔

لفظی توبہ کی آس

توبہ کے غلط مفہوم نے بے شمار مسلمانوں کو عیب و ثواب سے بے پروا بنا دیا ہے، عوام کا عقیدہ ہے، کہ اگر کوئی شخص رات اور دن، فسق و فجور، جُرم و گناہ، چوری، ٹھگی، فریب کاری، جھوٹ، ظلم اور خیانت میں سرگرداں رہے، تو اس کے بعد وہ جب بھی اپنی زبان سے دس پانچ دفعہ " توبہ " کا لفظ دُہرا دیگا، اس کی تمام سیاہ کاریاں چشم زدن میں محو ہو جائیں گی۔

Marfat.com

اب نہ تو کوئی مظلوم اس کا دامن پکڑیگا، نہ کسی حق دار کو اس کے خلاف فریاد کرنے کی اجازت ہوگی، اس کو زنا بھی ہضم ہو جائیں گے، چوریاں اور ڈاکے بھی، بعض لوگ یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر بستر مرگ تک بھی کوئی شخص ظلم و گناہ اور فسق و فجور پہ کمر بستہ رہے، لیکن دم آخریں سے پہلے صرف ایک دفعہ توبہ یا استغفار کا لفظ زبان سے نکال دے، تو وہ اُسی وقت ایسا ہو جائے گا، کہ گویا وہ ابھی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔ آپ بے عمل مسلمانوں کی داد دیجئے، کہ انہوں نے گرفتِ الٰہی سے بچنے کے لئے کتنا آسان نسخہ ڈھونڈ نکالا ہے۔ اب حالت یہ ہے، کہ ایک طرف تو شب و روز گناہ کئے جا رہے ہیں، اور دوسری طرف توبہ و استغفار کی تسبیح پھر رہی ہے۔ یہاں رسول اللہ کی ایک حدیث مجھے یاد آگئی، فرماتے ہیں: "ایماندار بندہ گناہ کو اس طرح محسوس کرتا ہے، کہ گویا وہ ایک پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہے، اور وہ اُس پہ گر رہا ہے۔ مگر بدکردار شخص گناہ کو اس طرح سمجھتا ہے، کہ ایک مکھی اس کی ناک پر بیٹھی اور ہاتھ ہلانے سے اُڑ گئی۔" آجکل کی لفظی توبہ نے گناہ کو واقعی ایسا ہی بے قدر کر دیا ہے، چاہیئے تو یہ تھا، کہ ہر گنہگار گناہ کرنے کے بعد اپنی ذمہ داری کا شدید ترین احساس کرتا، مگر لفظی توبہ کی رسم نے عادی مجرموں کو ان کی ذمہ داری سے بالکل سبکدوش کر دیا ہے۔ یہ توبہ کے اصول کا قصور نہیں، بلکہ یہ اس کے غلط مفہوم کا نتیجہ ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دن میں ستر مرتبہ توبہ کیا کرتے تھے غور کیجئے، رسول اللہ تو قطعی طور پہ گناہ سے معصوم تھے، پھر آپ کی توبہ کا کیا مطلب؟

Marfat.com

اگر توبہ کا معنی یہی ہے، کہ "زنا کیا، اور لفظِ توبہ کہہ کر اسی وقت اسے بخشوا لیا" تو پھر رسول اللہ کو تو ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی توبہ نہیں کرنی چاہیئے تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ توبہ کوئی ایسی چیز ہے، جو گناہوں کے بغیر بھی کی جاتی ہے۔ توبہ کے لفظی معنی ہیں، لوٹنا اور واپس مڑنا، اور توبہ کی حقیقت یہ ہے، کہ آپ کم درجہ کی زندگی سے نکل کر اعلیٰ درجہ کی زندگی اختیار کریں، پیغمبرِ اسلام کی توبہ بھی انہی معنوں میں تھی، یعنی آپ ہر روز ستر سیڑھیاں نیچے سے اوپر کی طرف چڑھتے تھے۔ پس توبہ، ایک زبانی لفظ نہیں ہے، بلکہ انقلابی عمل ہے۔ فرض کیجئے کہ کسی شخص کو شراب کی عادت پڑ گئی، اب اسکی توبہ یہ ہے، کہ وہ شراب خوری کی بری زندگی ترک کر دے، اور اچھائی اور پاکیزگی کی راہ اختیار کر لے۔ سورۂ بقر کی ۱۶۰ ویں آیت میں قانونِ توبہ کی یہی تشریح کی گئی ہے، کہ پہلے سچائی کے ساتھ غلطی کا احساس و اعتراف ہو، پھر اصلاح ہو، اس کے بعد پہلی غلطی کی تلافی ہو، بعد میں معافی کی بشارت ہے۔ اس سے صاف ثابت ہے، کہ اسلام میں صرف ایک لفظ بول کر تمام گناہ معاف کرا لینے والی ابھی تک کوئی مشین ایجاد نہیں ہوئی۔

۴۔ وسیلہ کی آس جب مسلمان زندہ تھے، تو وہ اطاعتِ قرآن اور اتباعِ رسول سے اپنے مقاصد تک پہنچ جاتے تھے۔ لیکن جب عمل و جہاد کی طاقت باقی نہ رہی، تو وہ اعمال کی بجائے اشخاص کے دروازوں پر گر گئے، انہوں نے "نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ" کا سبق بھلا دیا، اور "وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ

"الوَسِیلَۃَ" کی غلط تعبیریں شروع کر دیں، یہ نادان اتنا بھی نہ سمجھے کہ جن لوگوں کو یہ اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں وہ تو خود خدا کو اپنا وسیلہ سمجھتے ہیں۔ اب تک یہ بات بت پرست کہا کرتے تھے مَا نَعبُدُھُم اِلَّا لِیُقَرِّبُونَا اِلَی اللّٰہ (سورہ زمر) یعنی ہم بتوں کی اس لئے غلامی کر رہے ہیں، تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں، اب اسی قول کو مسلمانوں نے دہرانا شروع کر دیا ہے، اور وہ برملا یہ کہہ رہے ہیں، ہم فلاں مزار پر اس لئے چڑھاوا دیتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ کے قریب کر دے، بیشک قرآن کہتا ہے "وَابتَغُوا اِلَیہِ الوَسِیلَۃَ" طلب کرو، اسکی طرف وسیلہ، مگر کسی بھی لغت یا تفسیر میں وسیلہ کے معنی "شخص" نہیں لئے گئے ہیں، سب سے بڑا وسیلہ اللہ کی رسی ہے، کوئی انسان اسی پر چنگل مار کر بارگاہ الٰہی میں پہنچ سکتا ہے۔

۵۔ پیر صاحب کی آس

مسلمانوں کی کم ہوشی اور بے عملی کا آخری مظاہر "پیر پرستی" ہے، لاکھوں مسلمانوں نے اسلامی خودداریوں سے محروم ہو کر پیروں کو اپنا آسرا بنالیا ہے بے شرع پیروں کی جماعت میں سر آغا خاں جیسے کروڑ پتی بھی شامل ہیں، بڑے بڑے ممبران کونسل بھی، اور بڑے بڑے عالم بھی، ہمارے ملک میں پیروں اور فقیروں کی پیدائش بڑے عجیب طریقے سے عمل میں آرہی ہے، جب کوئی مسلمان قرض و سود کی قماربازی میں اپنی تمام جائداد بار کر فارغ ہو جاتا ہے، تو وہ ایک موٹا عصا، سبز پگڑی، اور

Marfat.com

سُرخ تسبیح خریدی کہ ایک دم مقبول بارگاہ بن جاتا ہے، اور غریب عورتوں کو بچے، غریب کسانوں کو خزانے، اور مایوس بیماروں کو شفا دینے لگتا ہے، جب چند جہلا کسی جگہ جمع ہوتے ہیں، تو ایک کہتا ہے "میرا پیر بڑا" دوسرا کہتا ہے "میرا بڑا" تیسرا کہتا ہے "اب اگر خدا بھی آئے، تو جب تک پیر کی شکل میں نہ ہو، نہیں مانوں گا" بیشمار جہلا یہ سمجھتے ہیں، کہ پیر صاحبان کی خدا تعالیٰ کے ساتھ کچھ ساز باز ہوتی ہے، اگر خدا نہ مانے، تو پیر زبردستی کر کے بھی اسے منوا سکتا ہے، اگر کسی معاملے میں خدا اور پیر اپنی اپنی جگہ اڑ جائیں، تو پھر آخرکار خدا ہی کو ماننا پڑتا ہے، اور آخری فتح پیر ہی کو حاصل ہوتی ہے۔

ہزارہا مسلمان ایسے ہیں، جو ہر وقت کسی آنے جانے والے سے بہت اچھے پیر کا سُراغ پوچھتے رہتے ہیں۔ جو ینده یابنده۔ آخرکار انہیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ فلاں گاؤں میں ایک اللہ کا بندہ موجود ہے، پہلے بڑا جاگیردار یا تحصیلدار تھا، رسول اللہ کو خواب میں دیکھا، اور زن و فرزند سے آزاد ہو گیا، اب بڑے بڑے وکیل، تاجر، جج، اور نواب اس کا پانی بھرتے ہیں، مگر پیر صاحب کی حالت ہی کچھ اور ہے، وہ کسی کو مرید نہیں کرتے، نذرانہ نہیں لیتے، کھانا نہیں کھاتے، ان تعریفوں کے باوجود یہ سادہ لوح مسلمان، مٹھائی بھی خریدتا ہے، کھانا بھی لیتا ہے، اور نقدی بھی، اور پھر پیر صاحب کے ہاں جا پہنچتا ہے، پیر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے، اور چپکے سے اس کے کان میں کہہ دیتا ہے: "درود شریف کی کثرت رکھنا" اب مرید کی خوش

نصیبوں کا کیا ٹھکانہ؟ اگر اُس کے بچے بیمار ہوں، تو وہ علاج نہیں کرتا، کیونکہ پیر صاحب موجود ہیں۔ اس کے ہاں چوری ہو جائے، تو وہ رپٹ نہیں لکھاتا، کیونکہ جب بھی پیر صاحب نے دُعا کر دی تمام مال مسروقہ گھر بیٹھے اس کے پاس پہنچ جائے گا، اس کا کاروبار گھٹ جائے تو وہ پیر صاحب کو خط لکھتا ہے، اور خود مطمئن ہو جاتا ہے،

آہ! کہ اس ابراہیمی قوم پر ایسی ہی تباہیاں مسلط ہو رہی ہیں۔

۶۔ مُردوں سے مدد مانگنا

یہ وہن کی انتہائی شکل ہے کہ انسان زندگی سے اس قدر گر جائے، کہ وہ مُردوں سے مدد مانگنے لگے۔ مُردوں سے مدد مانگنا، یا اینٹ، پتھر، درخت، دریا سے مدد مانگنا برابر ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے، تو اس کی جسمانی حیثیت، اینٹ، پتھر ہی کے برابر ہوتی ہے، مُردوں سے مدد مانگنا، دراصل بُت پرستی ہی کی دوسری صورت ہے، دوسری صورت کا مطلب یہ ہے، کہ بُت پرستی کو اسلامی رنگ دے دیا گیا ہے۔

اگر آپ نے پچھلے مضمون کو غور سے پڑھا ہے، تو آپ کو معلوم ہوا ہوگا، کہ دینِ اسلام توحید، ایمان، علم، قربانی، جہاد اور اتحاد، کا مذہب ہے، لیکن جب کوئی قوم ان اوصاف سے عاری ہو جائے، تو وہ توحید سے کنارہ کش ہو جاتی ہے، اور شخصیتیں خدا کی جگہ لے لیتی ہیں، اور شخصیت پرستی کا یہ سلسلہ اس وجودِ گرامی سے شروع ہوتا ہے جو شخصیت پرستی کو مٹانے کے لئے دُنیا میں مبعوث ہوا تھا، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے، وہن زدہ مسلمان، رسول اللہ کی تعلیمات کو چھوڑ دیتے ہیں، اور ان کی

Marfat.com

شخصیت کو بنا لیتے ہیں، یعنی شخصیت پرستی کا پہلا قدم یہ ہوا، کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد آپ کی شخصیت سے مدد مانگی گئی، اور شفاعت کے غلط مفہوم کو مسلمانوں میں رائج کر دیا گیا۔ جب رسول اللہ سے مدد مانگنا جائز قرار پا گیا، تو پھر آہستہ آہستہ صحابہ کرام کو، ولیوں کو، بزرگوں کو، اور آخر میں عام گذرے ہوئے مسلمانوں کو بھی اس میں شامل کر دیا گیا، اور اس غرض سے کہ مُردوں سے مدد مانگنا، پوری طرح جائز قرار پا جائے، سمع موتیٰ کا مسئلہ ایجاد کیا گیا، اور لوگوں کو بتایا گیا، کہ مُردے بھی زندوں کی طرح سنتے ہیں، یہیں سے خانقاہ پرستی کی رسم جاری ہوئی، مٹی کے ڈھیروں کو کپڑے پہنائے گئے، کئی لوگ مجاور بن کر بیٹھ گئے، اور وہ اپنی خود غرضی کے لئے عوام میں طرح طرح کے قصے مشہور کرنے لگے، جس سے نذر ماننے اور چڑھاوے کی رسم جاری ہو گئی، عوام کی دلچسپیاں قائم رکھنے کے لئے قبروں پر بڑے بڑے قبے بنوائے گئے، ان پر جھنڈے کھڑے کئے گئے، سنگِ مرمر کے فرش لگائے گئے، گنبدوں پر سنہری اور روپہلی میناکاری کی گئی، مختصر یہ کہ قبروں اور خانقاہوں کو شاہی درباروں کی طرح پُر کشش کا عجائب خانہ بنا دیا گیا، آپ کسی بھی بڑے شہر میں جائیں، دیکھیں، کہ جو قبریں آج سے بیس پچیس سال پہلے، نری مٹی کی ڈھیریاں تھیں، اب زمانہ ساز مجاوروں نے ان پر مرمری قبوں، ریشمی اور اطلسی، غلافوں، جھاڑوں، فانوسوں اور عرسوں کا ایک طومار باندھ رکھا ہے، اور وہ خانقاہ پرستی کو ایک منظم تجارت کی طرح فروغ دے رہے ہیں، یہاں تک کہ بازاری عورتوں تک کو بلانے سے دریغ نہیں کیا جاتا، اس

Marfat.com

"کارِ خیر" میں پیر، میراثی، اور طوائفیں، ایک دوسرے کے مددگار ہیں، مجروں اور قوالیوں کی وجہ سے عام بازاری لوگ جمع ہو جاتے ہیں، ایک طرف گویے اور قوال عوام کو پیر پرستی کے لئے برانگیختہ کرتے ہیں، جس سے پیروں کو نذرانہ ملتا ہے۔ اور دوسری طرف پیر بڑی بڑی مجلسیں آراستہ کر کے خود قوالوں کو روپے دیتے ہیں، اور عوام سے لوٹتے ہیں، اس کا آخری نتیجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں عیاشی، بیکاری، راگ رنگ، گداگری، بےحیائی، نشہ بازی، اور آوارگی کو اس قدر فروغ حاصل ہو رہا ہے، جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا،

یہ ہے ہمارا ابراہیمیؑ زندگی سے بُعد، اور یہی ہمارے زوال کا سبب ہے، راہِ نجات یہ ہے کہ ہم ابراہیمیؑ اسلام کی بنیادیں تلاش کریں، اور اُن پر قائم ہو جائیں۔

Marfat.com

خطبۂ ہشتم

قوائے اسلام کی بین الاقوامی تنظیم

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ سَبِيلًا

اور اللہ کے لئے لوگوں پر فرض ہے بیت اللہ کا حج اگر وہ استطاعت رکھتے ہوں سفر کی۔

بین الاقوامی نظام

حج، اسلام کا چوتھا رکن ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں انسانیت کے امن و انتظام کے لئے جو شرعی قانون تجویز ہوا، اس کا ایک اہم ریزولیوشن حج تھا۔ حج اسلامی نظام کی آخری کڑی ہے۔ وہ کڑی جہاں اسلام کے عالمگیر مقاصد کی اور بین الاقوامی اتحاد کی بنیاد پڑتی ہے۔ یہ بڑا مشکل ہے کہ خدا کی تمام زمین ایک مملکت بن جائے اور کسی ایک سیاسی مرکز سے تمام نوعِ انسان کے لئے امن و انتظام کے فروعی احکام بھی جاری ہو سکیں جس طرح ایک شہر یا ایک گاؤں، محلّوں، اور گھروں سے مل کر بنتا ہے، اسی طرح یہ زمین الگ الگ ملکوں، علیحدہ علیحدہ بولیوں، جدا جدا تمدّنوں اور گوناگوں رسموں رواجوں کا گہوارہ ہے۔ ان مختلف قوموں اور ملکوں کا اپنی اپنی جگہ پر منظّم ہو جانا، بشرطیکہ یہ تنظیم اس کے

ہو کہ ایک قوم طاقتور ہو کر دوسری قوم کو نگل جائے۔ انسانیت کی بین الاقوامی تنظیم کے منافی نہیں ہے۔ زمین کی ساخت، آب و ہوا کا فرق، رنگوں اور بولیوں کا تنوع، قومی مزاجوں کے اختلافات سب اس پر گواہ ہیں کہ مختلف انسانی جماعتوں کی پہلے ملک وار تنظیم ہو گی۔ اور اس کے بعد ایک عام انسانی اور بین الاقوامی تنظیم ان سب ملکی تنظیموں کی رہنمائی کرے گی۔

جس طرح صوبائی اور مرکزی حکومتوں میں سررشتہ ہائے انتظامیہ منقسم کر دیئے جاتے ہیں، اسی طرح قومی تنظیموں اور عام بین الاقوامی تنظیم میں مضامین تقسیم ہو جانے چاہئیں۔ ہم اس تقسیم کو بقول مولانا آزاد شریعت اور دین کے الفاظ سے یا بقول مولانا سندھی بائی لاز اور قانون کے الفاظ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ دین ہر ملک کا ایک ہونا چاہیئے اور شرعی اجتہادات میں ہر ملک کے خاص حالات کی رعایت ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرآن تمام نوع انسان کے لئے عام ہو اور "سنت اور فقہ" کی مختلف راہوں میں سے جن کا نمونہ رسول اللہ نے اور آئمہ کرام نے پیش کیا ہے۔ ہر ملک کو اپنے حالات کے مطابق کوئی بھی خاص راہ اختیار کرنے کا حق ہو، چونکہ تمام انسانیت ایک شخص واحد کی طرح ہے، اس لئے اسلام کا قدم قومی یا ملکی تنظیم پر کہ درحقیقت جسم انسانیت کے بعض اعضا کی تنظیم ہے رُکتا نہیں ہے۔ یہ اندیشہ ہو سکتا تھا کہ ان الگ الگ قومی اور ملکی تنظیموں میں تصادم پیدا ہو گا، اس لئے حج فرض کیا گیا تاکہ قوموں کے باہمی تعلقات درست رہیں اور کسی قوم میں وطنی عصبیت پیدا ہو کر ہمسایہ اقوام کے

خطرہ کا باعث نہ بن جائے۔

حج کی قرارداد کے الفاظ

حضرت ابراہیمؑ کو جن الفاظ میں دعوتِ حج کا حکم دیا گیا، وہ قابلِ غور ہیں:۔

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ۔ — اور پکارو نوعِ انسان کو حج کے لئے لوگ آئیں گے تیرے پاس پا پیادہ اور دُبلی پتلی سواریوں پر۔

یہاں ناس کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کسی خاص فرقے کو نہیں بلکہ سب انسانوں کو حج کرنے کی دعوت دو۔ اس دعوت کا نتیجہ یہ بتایا گیا ہے:۔

یَاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ — وہ آئیں گے تمام دُور دراز ممالک سے

اس آیت میں پیش گوئی کی جھلک موجود ہے اور بتایا گیا ہے کہ تمہاری دعوت کامیاب ہوگی اور لوگ دُور دراز سے چل کر یہاں آئیں گے۔ اس کے بعد کے الفاظ یہ ہیں:

لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ — تاکہ وہ شریک ہوں منفعتوں میں جو اُن سب کی ہیں اور یاد کریں اللہ کا نام ایامِ مقررہ میں۔

یہاں "مشترکہ منافعوں میں شریک ہوں" کے الفاظ قابلِ غور ہیں۔ مقصود یہ نہ تھا کہ لوگ دُور دراز سے آکر صرف چند رسمیں ادا کریں اور چلے جائیں، بلکہ مقصود یہ تھا کہ سب قوموں کے لوگ مل کر ملّی منافعوں کے متعلق گفت و شنید کریں۔

Marfat.com

حج کے ۲ دو مقاصد اوپر کی آیت میں حج کے دو مقصد بیان کئے گئے ہیں:۔
پہلا مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی اُن منفعتوں پر غور کرنے کے لئے آئیں، جن میں اُن سب کا فائدہ ہے۔ صاف مطلب یہ ہوا کہ لوگ اپنی قومی اور ملکی منفعتوں کے مسائل حل کرنے کے لئے اس بین الاقوامی مجلس میں حاضر ہوں، اور بین الاقوامی صنعت و تجارت پر، بین الاقوامی سیاسیات پر اور بین الاقوامی تنازعات پر غور کریں اور مشورہ باہمی سے پوری انسانیت کے مستقبل کا پروگرام بنائیں اور ان مشکلات کے حل میں ایک دوسرے کی امداد کریں، جنہیں اقوام و ممالک اپنے طور پر خود حل نہ کر سکتے ہوں۔

دوسرا مقصد:۔ حج کے دوسرے مقصد کو واضح طور پر سمجھنے کیلئے ۲ دو الفاظ پر توجہ کیجئے، ایک لِلّٰہ کے نام پر۔ ارشاد ہوا ہے، وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ، یعنی حج لوگوں پر اللہ کے لئے فرض ہے۔ "اللہ کے لئے" کا کیا مطلب؟ یہ مطلب کہ اپنی ذات کے لئے نہیں، خاندان کے لئے نہیں، قوم کے لئے نہیں، ملک کے لئے بھی نہیں بلکہ اللہ کیلئے یا یوں کہو کہ سب انسانوں کی بے غرض خدمت کیلئے جو اللہ کے بندے ہیں اور جن کے لئے اللہ کا قانون بھیجا گیا ہے۔

دوسرے قابلِ غور الفاظ ہیں:۔ "وَیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ"۔ یعنی لوگ حج میں اس لئے آئیں تاکہ وہ "اللہ کا نام"، "مقررہ دنوں" میں یاد کریں۔ یہاں نکتہ غور یہ ہے کہ "اللہ کا نام" تو اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یاد کیا جاتا ہے، پھر مقررہ دنوں کی شرط

کا کیا مطلب؟ یہاں یہ بھی پوچھا جا سکتا ہے کہ ہزاروں کوس کا سفر کر کے اور مکۂ معظمہ میں پہنچ کر اللہ کا نام یاد کرنے کے کیا معنی؟ کیا لوگ گھر میں، دل میں، مسجد میں اللہ کا نام یاد نہیں کر سکتے؟ اور پھر یاد کرنے کا مطلب کیا؟ وہ کون ہے جسے ہر وقت اللہ کا نام یاد نہ ہو؟ یہ اعتراض اِسْمُ اللّٰہ کی صحیح تعبیر نہ جاننے کے باعث پیدا ہوا ہے۔ "اسم اللہ" سے یہاں "اللہ کا قانون" مراد ہے۔ اور "وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ" کے صحیح معنی یہ ہیں کہ لوگ قانونِ خدا کی حفاظت کے لیے، نفاذ کے لیے، تبلیغ و تفہیم کے لیے اور تعلیم و تذکیر کیلئے یہاں جمع ہوں۔ اس تصریح کی روشنی میں حج کا دوسرا مقصد یہ ہوا کہ لوگ یہاں ہندوستانی اور عربی، روسی اور چینی، گورے اور کالے، یورپی اور ایشیائی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ اللہ کا بندہ ہونے کی حیثیت سے اور انسان ہونے کی حیثیت سے جمع ہوں اور قانونِ خدا کے مطابق بے نفسی سے بین الاقوامی مسائل کا فیصلہ کریں۔

حج کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مَنِ اسْتَطَاعَ سَبِيلًا کی شرط لگائی ہے اس شرط کا مطلب یہ ہے کہ حج عوام کا میلہ نہیں ہے، بلکہ خواص کا اجتماع ہے، اُن مشاہیر کا اجتماع ہے، جن کی تمام انسانیت پر نظر ہو، اور جو بین الاقوامی مسائل پر غور کر سکتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج کی بین الاقوامی کانفرنس میں مدبرینِ عالم کے سوا دوسرے لوگ شریک نہیں ہو سکتے۔ عام لوگ دوسری کانفرنسوں کی طرح حج کانفرنس میں بھی شریک ہو سکتے ہیں، بشرطیکہ اُن کے پاس استطاعت موجود ہو۔

حج قومی افلاس کا علاج ہے — اب احادیثِ نبوی سے حج کے فضائل و

برکات پر نظر ڈالنی چاہیئے۔ ترمذی کی حدیث ہے، رسول اللہ فرماتے ہیں کہ حج گناہ اور غریبی کو اس طرح مٹا دیتا ہے، جس طرح لوہار کی بھٹی لوہے، چاندی اور سونے کی میل کچیل کاٹ دیتی ہے۔ کیا یہ حدیث صحیح ہے؟ بے شک، روایت کے لحاظ سے صحیح ہے، مگر کیا یہ امر واقعہ کے اعتبار سے بھی صحیح ہے؟ میں حیران ہوں کہ میں دو واقعات نفس الامری میں کس طرح مطابقت پیدا کروں؟ ایک واقعہ تو یہ ہے کہ مسلمان سب قوموں سے زیادہ حج کرتے ہیں اور دوسرا واقعہ یہ ہے کہ مسلمان ہی اس دنیا کی تمام قوموں سے زیادہ غریب ہیں، سب سے زیادہ پس ماندہ ہیں اور غلام ہونے کی حیثیت میں سب سے زیادہ مجرم اور گنہگار بھی ہیں اور اس کے علاوہ خود عربی لوگ جو حج اور عمرہ میں ایک طرح سے آٹھوں پہر غوطے لگائے ہیں، تمام دنیائے اسلام میں غربت و فلاکت کے مبتلے ہیں۔ یہاں بجا طور پر یہ سوال پیدا ہوگا کہ آخر حج نے ہندوستانیوں کی، افغانوں کی اور خود عربوں کی غریبی کو کیا مٹایا؟ اگرچہ اس سوال کا جواب نہایت ہی دردناک ہے، مگر پھر بھی جواب دینا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ ہم لوگ ابراہیمی دعوت پر حج کرنے کے لئے نہیں جاتے ہیں بلکہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی صرف عمارتیں دیکھنے جاتے ہیں اور وہاں کے در و دیوار سے لپٹنے جاتے ہیں، وہاں کی گلیوں میں دوڑ دھوپ کرنے جاتے ہیں، وہاں کے اونٹوں کی سواری کرنے جاتے ہیں اور وہاں کے میدانوں میں صرف دوڑنے اور کنکر پھینکنے کے لئے جاتے ہیں۔

Marfat.com

میرے دیوار بہ دیوار ایک جو الدار حاجی صاحب رہتے ہیں، ایک دن وہ فرمانے لگے کہ اِس زمانے کا حج "ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور چار مہینے کی قید" ہے۔ میں نے پوچھا، یہ کیسے؟ آپ نے فرمایا، لوگ ایک ہزار روپیہ خرچ کرتے ہیں اور چار مہینے بعد آتے ہیں اور واپس آکر ؎

وہی ہے چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی وہ اب بھی ہے

یہ ہے ہمارا اِس وقت کا ہندوستانی حج، رہا اسلامی حج، تو وہ پاک ہے۔ عظیم ہے، گناہ بھی مٹاتا ہے اور غریبی بھی مٹاتا ہے اور یہ اِس طرح کہ اگر اللہ کی قرار داد کے مطابق تمام قوموں اور حکومتوں کے نمائندے ہر سال مرکزِ کعبہ میں جمع ہو کر ہندوستان، ملایا، چین، ترکی، ایران، مصر، عراق وغیرہ ممالک کی پیداواروں کا، صنعتوں کا، باہمی تجارت کا، ملکی معدنیات کا آپس میں مل کر نظم و نسق قائم کریں ایک دوسرے کا علم و ہنر سیکھیں، ایک دوسرے کو علم و ہنر سکھائیں، کاریگروں کا تبادلہ کریں، مشترکہ کمپنیاں بنائیں اور ہر ملک میں ان کے دفاتر کھولیں تو دنیائے اسلام کی غربت بھی مٹ جائے اور گناہ بھی دور ہو جائیں صرف یہی نہیں بلکہ اس دنیا میں ایک دفعہ پھر متحدہ اسلامی طاقت کا ظہور ہو، متحدہ اسلامی تعمیر کا ظہور ہو، متحدہ اسلامی تجارت و اقتصادیات کا ظہور ہو اور اس کے بعد ہم کفارِ یورپ کو جواب بھی دیں اور کفارِ امریکہ کو بھی۔ جاپان کو بھی اور روس کو بھی، لیکن اگر حج سے ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ مکہ معظمہ کے در و دیوار دیکھ لیں، گلیوں

Marfat.com

میں چل پھر آئیں ۔میدان میں دَوڑ دھوپ کریں ۔ تو یہ حج ، اسلامی اور ابراہیمی حج نہیں ہے ۔ یہ "ہندی اور پنجابی حج" ہے اور بعض کا یہی مقول حوالدار صاحب کے ایک ہزار روپیہ جرمانہ اور چار مہینے کی قید ہے" اللہ تعالیٰ ہماری لغزشیں اور ہمارے گناہ معاف کرے ۔

ہمارے موجودہ حج کا سب سے زیادہ دردناک پہلو یہ ہے کہ ہم نے اپنی بے جا خوش اعتقادی اور بے جا فیاضی سے پوری عربی قوم کو گداگر بنا دیا ہے ۔ حج اس لئے تھا کہ غریبی مٹ جائے مگر ہم نے عرب والوں کی بیکاری اور غریبی کو چار چاند لگا دیئے ہیں ۔ آج پورا حجاز بیکار ہے اور گداگر اور مجاور بنا بیٹھا ہے اور لطف یہ ہے کہ خوش اعتقاد رکھنے والوں کو کچھ سمجھ نہیں آتی ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حجاز میں کارگاہیں کھولی جائیں اور اہلِ عرب میں "ایک پیسے کا کام اور دو پیسے اُجرت" کی پالیسی کو رواج دیا جائے ۔ خدا تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا کرے ۔

یہودیت اور نصرانیت کا انسداد

رسول اللہؐ فرماتے ہیں ، جس شخص کے پاس خرچ اور سواری موجود ہو اور وہ پھر بھی حج نہ کرے ، اس کے متعلق اسلام کو پروا نہیں ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر ۔ اس حدیث کا صاف مطلب یہ ہے کہ حج سے اسلام کی بین الاقوامی روح نشوونما پاتی ہے اور اگر مسلمان حج کو ترک کر دیں گے تو اُن میں وطنیت کے غلط تصورات آ جائیں گے ، ان میں غلط قومی عصبیت پیدا ہو جائیگی

Marfat.com

ان کا نقطہ نظر انسانی نہ رہے گا۔ بلکہ اسی طرح قومی اور وطنی ہو جائے گا، جیسا کہ آج جرمنوں کا ہے، روسیوں کا ہے اور انگریزوں کا ہے یا مختصر الفاظ میں یہودیوں اور عیسائیوں کا ہے۔ پھر جب مسلمانوں میں یہ کیفیت پیدا ہو گئی تو ان کا انجام لازماً وہی ہو گا جو یہودی اور عیسائی اقوام کا ہوا اور اب ہو رہا ہے۔ اگر ایسے لوگ یہودیوں اور عیسائیوں کی موت مریں تو اسلام کو اُن کی کیا پرواہ ہو سکتی ہے؟ یہ حدیث پاک اُن مسلمان ملکوں کے لیے جو علیحدہ علیحدہ قومیتوں اور وطنیتوں میں منقسم ہو رہے ہیں ایک انتباہ عظیم ہے مجھے اندیشہ ہے کہ اگر یہ ممالک اسی طرح جُدا جُدا رہے اور انہوں نے اپنے بین الاقوامی رابطے درست کر کے دُنیا کے سامنے لوائے اسلامی کا متحدہ محاذ پیش نہ کیا، تو انہیں یا تو یہودیوں کی طرح ایک ایک کر کے ختم کر دیا جائے گا اور یا عیسائی ممالک کی طرح آپس میں ٹکرا کر ختم کر دیا جائے گا۔ خدا تعالےٰ ہمیں معاف فرمائے۔

برادرانِ اسلام! میں نے اس مضمون میں بہت سی تلخ باتیں لکھی ہیں، اس سے میرا مقصد یہ ہے کہ حج میں حقیقت کی زندگی پیدا کی جائے، حج کو رُوحِ ابراہیمؑ کی آبیاری سے تازگی دی جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ حج کو بین الاقوامی اتحادِ اسلام کی بنیاد بنایا جائے اور اس سے دنیائے اسلام کی غربت اور پس ماندگی کے دُور کرنے کا، اسلامی روابط کے زندہ کرنے کا، اُمتِ مسلمہ کی صنعت، تجارت، تنظیم، تعلیم اور تربیت کی تعمیر کا کام کیا جائے۔

حج کے منافع کی تشریح

اگر اُمت پر حج کے بین الاقوامی مقاصد واضح ہو

جائیں، اگر آپ ہر سال گھر سے اس لئے چلیں تاکہ اُمت کی تعمیر تنظیم اور اتحاد کا پروگرام طے پائے اور مشکلاتِ راہ دُور ہوں، اگر آپ اُمّتِ مُسلمہ کو خدمتِ انسانیت کے لئے مستعد و تیار کرنے کے واسطے عازم حج ہوں تو اس سے ذاتی طور پر بھی آپ کو بے شمار فائدہ و برکات حاصل ہوں گے۔

فائدہ اوّل یہ کہ جب آپ حج پر روانہ ہوں گے تو سب کے سب اپنے بیوی بچوں کو خدا کے سپرد کریں گے، پھر رشتہ داروں اور دوستوں کو خدا حافظ کہیں گے، پھر مال و جائداد، تجارت، کھیتی باڑی اور کاروبار کو الوداع کہیں گے، پھر لین دین اور حساب کتاب صاف کریں گے، پھر دوستوں اور دشمنوں سے گلے ملیں گے اور ہر ایک سے گناہ بخشوائیں گے، یہ سب کچھ طے کر چکنے کے بعد جب ایک مسلمان راہِ خدا میں پہلا قدم اُٹھے گا تو میں یقین کرتا ہوں کہ اس کے سب گناہ معاف ہو چکے ہوں گے۔

فائدہ ۲ یہ کہ آپ کو سفر حج میں اپنا راحت و آرام قربان ہوگا، آپ آرام طلبی سے نکلیں گے، سوسائٹی کے اثرات سے رہائی پائیں گے، سفر کی مصیبتیں اُٹھائینگے سونے جاگنے اور کھانے پینے کا پروگرام بدلیں گے اور اس طرح آپ میں جہاد و انقلاب کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔

فائدہ سوم یہ ہے کہ آپ کو مال و دولت کی محبت سے دست بردار ہونا پڑیگا اور ہزارہا روپیہ جو آپ نے سالہا سال کی محنت اور تکلیف سے کمایا ہے، اللہ کی راہ میں

خرچ کرنا ہوگا اور اس سے آپ مالی جہاد کی برکات کے وارث بن جائیں گے۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ حج میں اللہ تعالیٰ کی ہزارہا نشانیاں اور عبرتیں آپ کی نظروں سے گذریں گی اور آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ آپ پر ایک ایسی کیفیت طاری ہو رہی ہے کہ گویا آپ اس دنیا کو چھوڑ کر ایک نئی دنیا کی زندگی بسر کر رہے ہیں، اس سے آپ کی عقل کو جِلا ملے گی، آپ کے دل کی اصلاح ہوگی اور آپ پہلے سے زیادہ مضبوط اور تجربہ کار ہو جائیں گے۔

پانچواں فائدہ یہ ہوگا کہ آپ وہ پاک سرزمین دیکھیں گے، جہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پیدا ہوئے تھے جہاں جبریلؑ اترتے تھے اور اللہ کا پیغام سنایا کرتے تھے، جہاں حضرت صدّیقؓ نمازیں پڑھتے تھے اور حضرت فاطمہؓ چکی پیسا کرتی تھیں۔

چھٹا فائدہ یہ ہوگا کہ آپ دنیا کے مسلمانوں سے ملاقات کریں گے، ہر ملک کے حالات ملک والوں کی زبانی سنیں گے۔ ہر ملک کے عروج و زوال کی کہانی اور ہر ملک کے مدبّرین کے افکار آپ کے سامنے آئیں گے آپ اُن کے ساتھ مل کر اسلام کی حالت پر غور کریں گے اور خدمتِ دین کے لئے پہلے سے زیادہ تیار ہو جائیں گے۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ آپ کو خانہ کعبہ کی زیارت کی اور روضۂ رسول اللہ کی حاضری کی برکات حاصل ہوں گی، آپ کو اہلِ شوق اور اہلِ عشق کی ملاقات کا موقع

Marfat.com

ملے گا۔ آپ نیک لوگوں کی صحبت سے اور ان کے اتقا سے اثر پذیر ہوں گے اور اس طرح آپ کی ایمانی اور روحانی قوت میں بہت کچھ اضافہ ہو جائے گا۔

اِن تمام "منافع" کی بنا یہ ہے کہ اسلام کی بین الاقوامی کڑی کو جوڑنے کا مقصد لے کر گھر سے نکلیں اور سمجھیں کہ یہ چیز بھی اسلامی فرائض میں ایک بہت بڑا اور اہم فرض ہے۔

Marfat.com

اسوۂ حسنۂ ابراہیمؑ کی تحقیق

از

مولانا ابوالکلام آزاد

عید اضحیٰ

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ	پھر جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ دونوں اللہ کے آگے جھک گئے
لِلْجَبِیْنِ وَنَادَیْنٰهُ	اور ابراہیمؑ نے اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے کے بل
اَنْ یّٰاِبْرٰهِیْمُ قَدْ	گرا دیا تو ہم نے پکارا، اے ابراہیمؑ! بس کر، تم نے
صَدَّقْتَ الرُّءْیَا	اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ ہم ایسا ہی نیک بندوں کو
اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی	اُن کے ایثارِ نفس اور قدویت نفس و جان کا بدلہ دیا کرتے
الْمُحْسِنِیْنَ۔ اِنَّ هٰذَا	ہیں، بے شک یہ ایک نہایت کھلی ہوئی یعنی ظاہری آزمائش
لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِیْنُ۔	تھی اور ذبح اسمٰعیلؑ کے فدیئے میں ہم نے ایک بہت
وَفَدَیْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ	بڑی قربانی یعنی سنّتِ ابراہیمی کی یادگار میں تاقیامت
وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی	جاری رہنے والی قربانی دے دی۔ اور تمام آنے والی اُمّتوں
الْاٰخِرِیْنَ سَلٰمٌ عَلٰٓی	میں اس واقعہ عظیمہ کے ذکر کو قائم کر دیا۔ پس سلام ہو راہِ
اِبْرٰهِیْمَ۔ (۳۷: ۱۰۲)	الٰہی میں اپنی قربانی کرنے والے ابراہیمؑ پہ۔

تعمیر کعبہ ٹھیک اب سے پانچ ہزار دو سو پینتالیس برس پیشتر دنیا کے ایک گوشے میں کیسا عجیب و غریب انقلاب ہو رہا تھا۔ ایک ہولناک اور وحشت انگیز بیابان ریگ زار تھا جس کی چمک ریگ اور خشک سرزمین میں ہر

طرف موت وہلاکت پھیلی ہوئی تھی۔ ایک بنجر وادی "غیر ذی ذرع" تھی جس کی سطح نے نمو پر زندگی کی سبزی وشگفتگی کا نام ونشان تک نہ تھا، لیکن ربّ السمٰوٰت والارض کے دونوں مخلص بندے تھے، جنہوں نے انسانی زندگی کے لئے اسی صحرائے ہلاکت کو، آبادی کے لئے اسی بیابانِ وحشت کو فلاحت و زراعت کے لئے اسی سرزمین خشک سال کو اور خدائے واحد کی پرستش وعبادت کے لئے اسی قربان گاہ کو منتخب کیا تھا۔ ان کے چاروں طرف صحرائے وحشت تھا مگر اُن کے اوپر وہ خدائے حکیم وقادر تھا، جو آبادیوں کا بخشنے والا اور زمینوں کی وراثت تقسیم کرنے والا ہے۔ ان کے ہاتھ میں پتھروں کے ٹکڑے تھے، جن کو ایک دیوار کی صورت میں جمع کرتے جاتے تھے اور زبان پر یہ دعائیں تھیں جو ادھر تو زبان سے نکل رہی تھیں اور ادھر قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہو رہا تھا۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ	الٰہی یہ ہمارے ہاتھ تیری پرستش اور تیرے جلال و قدوسیت
اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ	کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں، اس کو قبول کر لے، بے شک
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ	تو ہی دعاؤں کو سننے والا اور نیتوں کا دیکھنے والا ہے۔
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا	الٰہی ہم کو اپنا مسلم اور اطاعت شعار بنا اور پھر ہماری نسل
اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ وَ	میں سے بھی ایک ایسی ہی اُمت پیدا کر جو ہماری طرح
اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ	مسلم ومومن ہو۔ الٰہی ہم کو اپنی عبادت وبندگی کے مقبول
عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ	طریقے سوجھا دے اور ہمارے قصوروں سے درگذر کر، تو ہی

Marfat.com

التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ	بڑا درگذر کرنے والا اور تُو ہی اپنے عاجز بندوں پر مہربان
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ	ہے۔ الٰہی ہماری اس دعا کو بھی ان گھڑیوں میں قبول کرلے
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا	کہ جو قوم ہماری نسل سے پیدا ہو، ان میں اپنا ایک ایسا
عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ	برگزیدہ رسول بھیجیو جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے
يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	علم وحکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس قلب کی اصلاح
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ	کرے۔ الٰہی ان تمام باتوں کا تجھی کو اختیار ہے اور
اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ	تیری ہی تدبیر اصلی تدبیر اور تیری ہی حکمت اصلی حکمت
الْحَكِيْمُ۔ (۲: ۱۴۲)	ہے۔

دُعائے خلیلؑ کی قبولیت

اللہ اکبر! وہ وقت کیا تھا، جب کہ صدیوں اور ہزاروں برس کا فیصلہ چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہو گیا۔ اللہ اکبر اللہ اکبر، لا اِلٰہ الا اللہ وَاللہ اکبر! اللہ اکبر وللہ الحمد۔

یہ دعائیں ان زبانوں سے نکل رہی تھیں جن میں سے ایک راہِ الٰہی میں اپنے جذبات اور ارادے کی قربانی کر چکا تھا اور دوسرا اپنے جان ونفس کی۔ دونوں نے اپنی محبوب ترین متاعوں کو راہِ الٰہی میں لٹا دیا تھا۔ ایک نے اپنے فرزندِ عزیز کو اور دوسرے نے اپنی جانِ عزیز کو۔ دونوں مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اس لئے دونوں مُسلم تھے۔ خدا نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کر لیا اور اس طرح قبول کیا کہ دُنیا کے پانچ ہزار برس کے حوادث وانقلابات بھی ان کی قبولیت کی صداقت کو دھبہ نہ لگا سکے۔

وہ چند پتھروں سے چنی ہوئی چار دیواری جس کے چاروں طرف انسانی ہستی کی کوئی علامت نہ تھی۔ کروڑوں انسانوں کی پرستش گاہ اور قبلہ وجود بنی اور خدا کے جلال اور قدوسیت نے تمام عالم میں صرف اسی کی چھت کو اپنا نشیمن بنا لیا۔ داؤدؑ اور سلیمانؑ کا وہ عظیم الشان ہیکل جس کو ہزاروں انسانوں کی سالہا سال کی محنت و مشقت نے لمبے لمبے ستونوں اور گنبدوں کا ایک شہر بنا دیا تھا چند صدیوں تک بھی زندہ نہ رہ سکا اور وحشی حملہ آوروں نے بارہا اسکی عظیم الہیئتہ دیواروں کو غبار بنا کر اڑا دیا۔ لیکن چند پتھروں سے چنی ہوئی اس چار دیواری کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا تھا کہ پانچہزار برس کے اندر انقلابات ارضیہ و سماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں کے طوفانوں کی صورت میں بدل دیا۔ لیکن آج تک اسکی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی۔ یہاں تک کہ تاریخ عالم میں وہی ایک سرزمین ہے جس کی نسبت تاریخ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اسکی مقدس و محترم خاک آج تک غیر قوموں کے گھوڑوں کے ٹاپوں سے محفوظ و مصئون ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَكْفُرُوْنَ ۔

ہم نے حرم مکہ کو جو ایک غیر معروف اور بے رونق خطہ تھا۔ امن و حفاظت کا گھر بنا دیا اور ایک عالم نے اس کے اردگرد ہجوم کیا، پھر کیا لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اور اگر کسی قوم نے اس کی عزت و احترام کو مٹانا چاہا، تو خدائے قدوس کے دست کبریائی نے خود اس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ۔ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَھُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ وَّ اَرْسَلَ عَلَیْھِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ تَرْمِیْھِمْ بِحِجَارَۃٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ فَجَعَلَھُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ۔ (۱۰۶ : ۱)

اے پیغمبر! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا جو ہاتھیوں کا ایک غول لیکر مکہ پر حملہ آور ہوا تھا، کیا خدا نے ان کے تمام داؤ غلط نہیں کر دیئے اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کیے جنہوں نے ان کو سخت بربادی میں مبتلا کر دیا، جو ان کے لئے لکھ دی گئی تھی، یہاں تک کہ پامال شدہ کھیت کی طرح تباہ ہو گئے۔

یہ اس دعا کے پہلے ٹکڑے کی قبولیت تھی۔ باقی دو التجاؤں کو جس طرح خدا تعالیٰ نے قبولیت بخشی، اسکی صداقت بھی اس بیت خلیل کی صداقت سے کم نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔

بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا کہ (دعائے ابراہیمی کو قبول فرما کر) انہی میں سے اُن کی طرف اپنا رسول بھیجا جو ان کو احکامِ الٰہی پڑھ کر سناتا ہے ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے وہ سخت جہل اور گمراہی میں مبتلا تھے۔

Marfat.com

اُسوۂ ابراہیمؑ

قرآن کریم میں ایک بہت بڑا حصّہ انبیائے سابقین کے قصص الاعمال کا ہے، اس کا عام انداز بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے اور پھر اس تعلیم کی صداقت کیلئے امم گذشتہ اور اعمال انبیائے سابقہ کے حالات و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے، تاکہ اُمّتِ مرحومہ کے سامنے تعلیم اور اس کے عملی نمونے اور نتائج دونوں موجود ہوجائیں۔

لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے از سرتاپا اعمال بطور نمونہ کے پیش کئے گئے ہیں اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے تو وہ صرف دو نمونے ہیں۔ خود شریعتِ اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی نسبت سورۂ احزاب میں فرمایا کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللَّهَ كَثِيرًا (۳۳ : ۲۱)	بیشک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے (کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے والے ہو) پیروی و اتباع کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اور پھر سورۂ ممتحنہ میں ملّتِ حنیفی کے داعی اوّل حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ علیٰ نبینا و علیہ السّلام کی نسبت ارشاد ہوا:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ (۶۰ : ۶)	بیشک تمہارے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے اعمالِ زندگی میں ہے۔

پھراسی رکوع میں حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کی تعلیم کی تشریح کر کے مکرر کہا:-

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ أُسْوَةٌ	بے شک تمہارے لئے کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے
حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ	ہو، ان لوگوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے
وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّ	اور جو شخص اس کی طرف سے منہ موڑلے تو اللہ تو انسان
فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ	کا کچھ محتاج نہیں۔

اسوۂ حسنہ کی تحقیق

میں نے ہمیشہ اس پر غور کیا ہے کہ

۱۔ تمام قرآن کریم میں بیسیوں انبیائے سابقین کے حالات و اعمال بیان کئے گئے ہیں، لیکن کسی کی تمام زندگی کو بطور ایک نمونے کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، الا حضرت ابراہیمؑ کی۔

۲۔ تمام قرآن میں "اسوۂ حسنہ" کا لفظ صرف تین مقامات میں آیا ہے۔ اول سورۂ احزاب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اور پھر سورہ ممتحنہ میں دو مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت، اس کی علت کیا ہے۔

۳۔ سورۂ احزاب اور سورہ ممتحنہ دونوں سورتیں زیادہ تر احکام جہاد و قتال فی سبیل اللہ اور بعض مقامات کے نتائج و دروداتبلا و آزمائش و عجائبات نصرتِ الہیہ کے بیان سے مملو ہیں۔ پھر یہ دونوں آیتیں جن رکوعوں میں آئی ہیں، وہ بھی تمام تر ذکرِ جہاد پر مبنی ہیں، ضرور ہے کہ اس میں بھی کوئی علت ہو۔

۴۔ دونوں مقامات میں پوری مماثلت، حتیٰ کہ اشتراک جزئیات بیان بھی موجود

Marfat.com

ہے۔ سورہ احزاب میں اس آیت کا وہ موقعہ ہے جہاں جنگِ احزاب یا جنگِ خندق کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے اور زیادہ تر ان منافقین اور ضعیف العقل اشخاص کا حال بیان کیا ہے، جو اپنی تین ہزار کی جمعیت کے مقابلے میں حملہ آوروں کی بارہ ہزار مسلح اور متحدہ قوت دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے۔ پھر اس نصرتِ الٰہی کا حوالہ دیا ہے جس نے محصورین کو کامیاب کیا اور تمام حملہ آور ناکام و خاسر واپس گئے۔ بعینہٖ یہی حال سورہ ممتحنہ کے پہلے رکوع کا ہے۔ فتح مکّہ سے پیشتر جب آنحضرتؐ نے چڑھائی کا ارادہ کیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک صحابی تھے، جن کے اہل و عیال مکّہ میں موجود تھے۔ انھوں نے پوشیدہ طور پر ان کو اطلاع دے دی کہ اپنے تحفّظ کا انتظام کر رکھیں۔ وحی الٰہی سے یہ حال آں حضرتؐ پر منکشف ہو گیا اور آدمی دوڑا کر وہ خط راہ سے واپس منگوا لیا۔ اس پر سورت نازل ہوئی۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا	مسلمانو! ان کافروں اور دشمنانِ توحید کو اپنا دوست نہ بناؤ
تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَ	جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے دشمن ہیں (یہ کیسی بات
عَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ تُلْقُونَ	ہے کہ) تم ان سے نامہ و پیام جاری رکھتے ہو؟ حالانکہ
إِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ	تمہارے پاس جو حق و صداقت اللہ کی طرف سے آئی، وہ
كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُمْ مِنَ	اس سے انکار کر چکے ہیں۔
الْحَقِّ ج (۶۰: ۱)	

حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں کے "اسوۂ حسنہ" پر اس رکوع میں توجہ

دلائی گئی ہے۔ پھر آیات متعلق حرب وقتال و تشویقِ جہاد فی سبیل اللہ میں اس اسوۂ حسنہ پہ توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی؟

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم اسلام کی جس حقیقت کو دنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لحاظ سے اگر کوئی زندگی "اسوۂ حسنہ" ہو سکتی تھی، تو وہ صرف حضرت ابراہیمؑ ہی کی زندگی تھی۔ اسلام ایک صداقت ہے اور اس لئے دنیا میں اس وقت سے موجود ہے۔ جس وقت سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے، لیکن اس صداقتِ مبین کو ایک شریعتِ الٰہیہ کی صورت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ ہی نے پیش کیا تھا اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر جگہ ان کو ملّتِ حنیفی کے اوّلین واعظ کی حیثیت سے پیش کیا ہے اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ:-

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ جب حضرت ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار نے کہا کہ مسلم قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ (یعنی سچے فرماں بردار) ہو جاؤ تو انہوں نے کہا کہ میں الْعٰلَمِيْنَ۔ (۲: ۵۴) اسلام لایا تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے۔

چونکہ حضرت ابراہیمؑ اسلام کے پہلے داعی تھے، اس لئے ان کا وجود پیکرِ اسلام تھا اور اپنے ہر عمل حیات کے اندر اسلام کی حقیقت کا ایک عملی نمونہ رکھتا تھا، وہ اسلام کے واعظ تھے اور واعظ کیلئے اوّلین شئے یہ تھی کہ تعلیم کے ساتھ خود اپنی زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کر دے اور جن حقیقتوں کی طرف دُنیا کو دعوت دیتا ہے، ان کو سب سے پہلے اپنے اوپر طاری کر دے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان حقائق کو اپنے

Marfat.com

اور طاری کیا، اس لئے ان کا ہر عمل از سر تا پا عبدانہ اسلام تھا۔ اور وہی پیروان اسلام کے لئے عملی نمونہ یا "اسوۂ حسنہ" ہو سکتا تھا۔ یہی سبب ہے کہ خدا تعالیٰ نے ان کی زندگی کے تمام اعمال ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے اور ان کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرمایا۔ دنیا کے بڑے بڑے کشور ستانوں، عظیم الشان فاتحوں اور سمندروں اور خشکیوں پر حکومت کرنے والی قوموں کو ہم آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں، بوسیدہ قبروں، قومی روایتوں اور تاریخ کے کہنہ اوراق میں ضرور دیکھ سکتے ہیں، مگر تمام مجمع اولین و آخرین میں ایک انسانی ہستی بھی ایسی نہیں مل سکتی جس کے اعمالِ حیات صفحوں اور مٹی کے ڈھیروں میں نہیں، بلکہ کروڑوں زندہ انسانوں کے اعمال کے اندر سے اپنی حیات کا ثبوت دے سکتے ہوں۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو دنیا کے سامنے "اسوۂ ابراہیمی" کی لازوال زندگی کا کیسا عجیب منظر ہوتا ہے جب کہ تاریخ کئی ہزار برس آگے بڑھ کر لوٹتی ہے تاکہ اسلام کے داعظِ اوّل کی زندگی کو ایک مرتبہ دُہرائے۔ لاکھوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے، جن میں سے ہر وجود پیکرِ ابراہیمؑ بن جاتا ہے اور "مقامِ خلت" کی سلطنت، تعین اور تشخص کو فنا کر کے اس پورے مجمع کو ایک "ابراہیم خلیلؑ" کی صورت میں نمایاں کر دیتی ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔ (۱۹: ۴۴)

اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کی اولاد کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصّہ دیا اور ان کے لئے ایک اعلیٰ و اشرف (طریق) ذکرِ خیر دنیا میں باقی رکھا۔

آج ذی الحجہ کی نویں تاریخ ہے جبکہ یہ سطور قلم سے نکل رہی ہیں چشم تصور سے دیکھیے تو آپ کے سامنے بزرگان مخلصین کا ایک شہر آباد ہے۔ لاکھوں انسان ایک ہی لباس اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک ہی کے لیئے دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔ بے شک "ابراہیم خلیلؑ" کا وجود تنہا دنیا میں باقی نہیں رہا، لیکن کیا ان لاکھوں عاشقان الٰہی میں سے ہر ایک عاشق اسی عاشقِ اوّل کے فیضانِ عشق سے مستفیض نہیں ہے؟ اگر ہے تو یقین کیجیے کہ "خلیل اللہ" آج بھی زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا، جبکہ میدانِ حج میں لاکھوں انسانوں کی زبان سے صدائے "لَبَّیْکَ! لَبَّیْکَ! اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ" نکلتی ہے، تو اس ایک ہی ابراہیم خلیلؑ کی صدا ہوتی ہے، جس نے اب سے پانچ ہزار برس پیشتر اپنے دوست کی صدائے یا عبدی کے جواب میں عاشقانہ محبّت کے ساتھ لَبَّیْکَ کا نعرہ لگایا تھا۔ وہ ایک ہی وجود کے اندر کب محدود تھا کہ فنا ہو جاتا؟ وہ تو اپنے اندر ایک پوری اُمّت رکھتا تھا۔ اس لئے آج بھی اپنی اُمّت کی صورت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا ط وَّلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔	بیشک ابراہیم (گویا) ایک پوری طاعت شعار اُمّت تھا اور ایک ہی خدا کا ہو رہا تھا۔

یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ہر بات "اسلام" تھی۔ حقیقتِ اسلامی میں ان کا وجود اس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود اُن کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی تھی۔ جب کہ ستاروں کی عجیب و غریب روشنی ان کے سامنے آئی۔ چاند کی دلفریبی نے ان کو

Marfat.com

آزمانا چاہا۔ اور سورج اپنی سطوت و عظمت سے چمکا، تاکہ ان کی فطرت کو مرعوب کر سکے تو اسلام ہی تھا جس نے اندر سے صدا دی کہ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ (میں فنا پذیر ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۔ (۹ : ۷۵) — میں ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک ہی ذات کا ہو گیا ہوں جس نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا، الحمد للہ کہ میں مشرکوں میں سے نہیں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ۔ — اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کے مناظر و عجائب دکھلائے۔ تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائے۔

انہوں نے جب آنکھ کھولی تو ان کے چاروں طرف بت پرستی کے مناظر تھے۔ انہوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا، اس کے ہاتھ سنگ تراشی کے اوزار اور بتوں کے ڈھانچے تھے، وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے، مگر جس طرف دیکھا، بتوں کے آگے جھکے ہوئے سر تھے اور جس طرف کان لگایا، خدا فروشی کی صدائیں آ رہی تھیں۔ پھر وہ کون سی چیز تھی جس نے ان تمام چیزوں سے ہٹا کر، جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سنی جاتی ہیں، اُن کے دل میں ایک ان دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگا دی؟ اور ایک ان سُنے نغمے کی تلاش میں ان کے سامعہ کو آوارہ کر دیا؟ ان کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں جن کو ان کی آنکھیں دیکھتی

Marfat.com

نہیں پھر وہ کون تھا، جو اُن کے اندر بیٹھا ہوا خدائے قدّوس کو دیکھ رہا تھا؟ اور اس قدرتی جوش و قوت کے ساتھ جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار یا کسی زمین سے اُبلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے، اُن کی زبان سے فاطر السمٰوٰت والارض کی یہ شہادت دے رہا تھا؟

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَهُوَ یَهْدِیْنِ وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ وَالَّذِیْ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ۔ (۲۶ : ۷۸)

وہ جس نے مجھ کو پیدا کیا اور پھر ہدایت کی راہیں کھول دیں۔ وہ کہ بھوکا ہوتا ہوں تو کھلاتا اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے۔ اور وہ کہ جب اپنی بداعمالیوں سے بیمار پڑتا ہوں، تو اپنی رحمت سے شفا دیتا ہے، جو موت کے بعد حیات بخشے گا۔ اور جس کی رحمت سے اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میری خطاؤں سے درگزر کرے گا۔

اور پھر یہ کیا تھا کہ جب کہ ان کا سنگ تراش چچا پتھروں سے پرستش کی مورتیں بناتا تھا تو بے اختیار اُن کی زبان سے نکلتا تھا کہ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖٓ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۝ اِلَّا الَّذِیْ فَطَرَنِیْ فَاِنَّهٗ سَیَهْدِیْنِ ۝ (۴۳ : ۲۵)

اور جب ابراہیمؑ نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن بُت پرستیوں میں مبتلا ہو، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں، البتہ مجھ کو اُس ان دیکھی ذات سے سروکار ہے جس نے میری خلقت بنائی اور یقین ہے کہ وہی مجھ پر اپنی راہ کھول دے گا۔

ظہورِ حقیقتِ اسلامیہ

در اصل یہ وہی "حقیقت اسلامیہ" تھی، جس نے اُن کے وجود کو آنے والی اُمتوں کے لئے "اُسوہ حسنہ" بنا دیا تھا اور جس کی وصیّت انہوں نے اسحٰق اور اسمٰعیل علیہما السلام کو کی اور پھر انہوں نے یعقوب کو اور اس کے بعد نسلاً بعد نسلٍ سلسلۂ ابراہیمی میں منتقل ہوتی رہی۔

یہی حقیقت وہ روحِ اعظم تھی، جو آدم کے کالبد میں پھونکی گئی۔

وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ اور خدا نے آدم میں اپنی روح پھونکی۔

اور یہی وہ روحِ الٰہی ہے جو شریعتِ ابراہیمی سے منسوب ہو کر سلسلۂ ابراہیمی کی آخری اُمّت یعنی اُمّتِ مرحومہ میں ظہور کرنے والی تھی اور جس کے یومِ ظہور کی ایک رات ایامِ الٰہیہ کے گزشتہ ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی تھی۔

إِنَّا أَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ ہم نے اسلام کو بصورت قرآن لیلۃ القدر میں نازل کیا

وَمَا أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ ایک

لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ ایسی رات ہے، جو ہزار مہینوں پر فضیلت رکھتی ہے

شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اس رات ملائکہ اور "روح" کا نزول ہوتا ہے، جو

الرُّوْحُ فِيْهَا بِإِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ اپنے پروردگار کے حکم سے نظمِ روحانی کے تمام

كُلِّ أَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ امور کے لئے آتے ہیں، امن و سلامتی کی رات

الْفَجْرِ ۝ (۹۷: ۱-۵) سے طلوعِ صبح تک۔

اور یہی وہ حقیقت تھی، جو ان تمام حقیقتوں سے جو یہودیت یا مسیحیت سے تعبیر کی جا

Marfat.com

سکتی ہیں، اعلیٰ وارفع تھی، کیونکہ وہ تمام شاخیں اسی حقیقۃ الحقائق کی جڑ سے نکلی تھیں۔ پس "اصل" کی موجودگی میں "فرع" بے اثر ہے اور "کل" کے سامنے "جز" بے حقیقت۔ یہی سبب ہے کہ جب اس اصل و کل کی تکمیل کا آخری فیصلہ ہوا تو کہا گیا کہ

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی و نصرانی بن جاؤ تاکہ ہدایت پاؤ، لیکن ان سے کہہ دو کہ نہیں بلکہ صرف ملتِ ابراہیمی ہی ہیں تمام ہدایتوں کی حقیقت ہے اور وہ تمہاری طرح مشرکوں میں سے نہ تھا۔ (۲ : ۱۲۹)

اور یہی وہ انسان کی "فطرتِ اصلی" ہے، جس کو "اسلام" کے سوا قرآن کریم نے "قلب سلیم" کے لقب سے بھی یاد کیا ہے، یعنی قلبِ انسانی کی وہ بے میل حالت جو خارجی اثراتِ ضلالت سے بالکل محفوظ ہو یا فطرۃ اصلی کا وہ ذوقِ صحیح جس کا ذائقہ کسی عارضی بیماری کے اثر سے بگڑا نہ گیا ہو۔ کیونکہ انسان کے اندر جو کچھ ہے، وہ اسلام ہے اور کفر جب آتا ہے تو باہر سے آتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت تصریح کر دی کہ :-

إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ۔ جب حضرت ابراہیمؑ اپنے رب کی طرف "قلب سلیم" لے کر آئے۔

اور پھر سورۂ شعرائکے چوتھے رکوع میں جب حضرت ابراہیمؑ نے آذر کی ضلالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دعا مانگی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

Marfat.com

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (۲۶ : ۸۸)

وہ آخری روزِ عدالت جبکہ نہ مال و دولت کام دینگے اور نہ اہل و عیال کام آئیں گے (یعنی کوئی مادی شئے مفید نہ ہوگی) مگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں "قلبِ سلیم" ہے۔

یہی قلبِ سلیم تھا جس پر اجرامِ سماویہ کے مناظر فتح نہ پاسکے اور اس نے ابراہیم کے دل کے اندر سے فاطر ملکوت السمٰوات والارض کے وجود پر شہادت دی۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِىْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ۔

ابراہیمؑ نے اپنی قوم کو جواب میں کہا کہ وہ آسمان و زمین کا فاطر جس نے اُن کو پیدا کیا تھا تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اس کے وجود پر شہادت دیتا ہوں۔

اور سب سے آخر یہ کہ جب حقیقتِ اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ "اسلام" ہی تھا جس نے ابراہیمؑ کے ہاتھ میں چھری دی، تاکہ فرزندِ عزیز کو ذبح کر کے محبتِ ماسوی اللہ کی قربانی کرے، اور اسلام ہی تھا جس نے اسمٰعیلؑ کی گردن جھکا دی تاکہ اپنی جانِ عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دے۔

يٰبُنَيَّ اِنِّىْٓ اَرٰى فِى الْمَنَامِ اَنِّىْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى۔ (۳۷ : ۹۹)

اے فرزندِ عزیز! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا تجھے اللہ کے نام پر ذبح کر رہا ہوں، پھر تیرے خیال میں یہ بات کیسی ہے؟

تو یہ وجودِ ابراہیمی کی نہیں بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی اور پھر اس کے جواب میں

Marfat.com

اسمٰعیلؑ نے کہا کہ :-

یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ - (۳۷ : ۱۰۰)	اے باپ، یہ تو گویا اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کا اشارہ ہے۔ بس جو اس کا حکم ہے اس کو بلا تامل انجام دیجئے، اگر اس خدا کی مرضی ہوئی، تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں صبر کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

تو یہ بھی اسمٰعیل کی نہیں بلکہ اسلام ہی کی صدا تھی۔ پھر جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح سختی سے پکڑ کے زمین پر گرادیا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا، جو ابراہیمؑ کے اندر سے کام کر رہا تھا اور جب بیٹے نے اس ... ذوق کے ساتھ جو مدتوں کے پیاسے کو آب شیریں سے ہوتا ہے، اپنی گردن مضطرب ہو ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقت اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفس اسمٰعیلؑ کو فنا کر دیا تھا اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ ۝ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ اِنَّہٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (۱۱۱ : ۷)	پس سلام ہو حقیقت اسلامی کی قربانی کرنے والے ابراہیمؑ پر۔ ہم احسان تک پہنچنے والوں کو، (بقائے دوام) کا ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں میں سے تھا۔

اَللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ -

غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق
صد منزل است و منزل اول قیامت است

اللہ اللہ! اس نیرنگ ساز ازل کے دربار محبت کی بوقلمونی کو کیا کہئے کہ اس کے حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے، دوستوں کو کٹواتا ہے، اگر دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں چھری دیتا ہے کہ بیٹے کو ذبح کرے اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوش خوش گردن جھکا دے کہ یہاں جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روز عیش و نشاط سمجھنا بھی شرط ہے۔

آہ ایں چہ دوستی است کہ سر ہائے یک دگر
خویشاں بہ دیدہ بر در قاتل نہادہ اند

ابراہیمؑ کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارا نہ ہوئی اور اسمٰعیل کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا تو محبت نفس و جان کی یہ چھائیں نظر آئی

عشق است و ہزار بدگمانی

غیرت الٰہی نے اس کو بھی منظور نہیں کیا، حکم ہوا کہ پہلے محبت کے مکان کو ایک ہی مکین کے لئے خالی کر دو، پھر اس طرح نظر اٹھا کر دیکھنا کہ "الغیرۃ من صفات حضرت الربوبیۃ"، محبت کی عشق آموزی کا پہلا سبق غیرت ہے اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے کہ:۔

Marfat.com

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ۔ — اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں سے درگذر کر سکتا ہے مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ تم اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک بناؤ۔

سلطانِ محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، مگر اس کی عدالت میں دل کی تقسیم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ آپ کا دوست ہزار کج ادائیاں کرے، آپ کا دل محبت پرست اسکی شفاعت سے باز نہ آئے گا، لیکن آپ اس گوشۂ نظر سے کیونکر درگذر کر سکتے ہیں جو آپ کی طرف نہیں بلکہ کسی دوسری جانب تھی؟ آپ کسی کی آنکھوں کی بے مہری کو تو گوارا کر سکتے ہیں، لیکن اس خمار کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں جو صحبتِ غیر کی شب بیداریوں سے پیدا ہوا ہو؟ اگر کبھی اس کوچے میں گذر ہوا ہو تو اپنے دل سے پوچھ لیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ البتہ اس مسئلے کے سمجھنے کے لئے مدرسے سے باہر بھی کچھ سیکھنا ضروری ہے۔

عود الی المقصود

اب میں اپنے اصلی مقصد سے بہت قریب آ گیا ہوں یہی آخری حالت وہ حقیقتِ اصلی تھی، جس کو آغازِ مضمون سے میں "حقیقتِ اسلامی" کے لفظ سے تعبیر کرتا آیا ہوں یہی دعوتِ اسلامیہ کا وہ عملی نمونہ تھا جس نے اسوۂ ابراہیمی کی شکل میں ظہور کیا: یہی لفظ "اسلام" کا وہ شاہدِ معنی تھا جس کے رخسارِ مشہد آرا کو دستِ خلیل اللہ نے بے نقاب کر دیا، یہی وہ لیلائے حقیقت تھی، جس کے جمال و صال پر نفس و جان کی قربانیوں کے پڑتے

پڑے ہوئے تھے، لیکن اس نجد خلت کے تاجدار محبت کے لئے مانع نہ ہو سکے اور عشاق حقیقت کے لئے اس کی جلوہ فروشیوں کو عام کر دیا، اور یہی وہ اصلِ اسلامی ہے، جس کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی "اسلام" کی جگہ "جہاد" اور کبھی "مسلم" کی جگہ "مجاہد" بولتا ہے اور پھر یہی وہ "اسوہ حسنہ" ہے، جس کی طرف وہ تمام پیروانِ ملتِ حنیفی کو دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ:-

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ ۔ بے شک حضرت ابراہیمؑ اور ان کے ساتھیوں میں پیروی و اتباع کے لئے ایک بہترین نصب العین اور نمونہ زندگی ہے۔

پس قسم ہے اس خدائے اسلام کی جس نے ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کی قربانی کو برکت بخشی اور اس کو ملتِ حنیفی کے لئے "اسوہ حسنہ" بنایا کہ "اسلام" اور "جہاد" ایک ہی حقیقت کے دو نام اور ایک ہی معنی کے لئے دو مرادف الفاظ ہیں اور اسلام کے معنی جہاد ہیں اور جہاد کے معنی اسلام۔ پس کوئی ہستی مسلم ہو نہیں سکتی جب تک وہ "مجاہد" نہ ہو اور کوئی مجاہد ہو نہیں سکتا، جب تک کہ وہ مسلم نہ ہو۔ اسلام کی لذت اس بدبخت کے لئے حرام ہے، جس کا ذوقِ ایمانی لذتِ جہاد سے محروم ہو۔ اور زمین پر گو اس نے اپنا نام مسلم رکھا ہو، لیکن اس کو کہہ دو کہ آسمانوں میں اس کا شمار کفر کے زمرے میں ہے۔

Marfat.com

فالجهاد! الجهاد! الجهاد فی سبیل اللہ! ایہا المسلمون الغافلون عن حقیقۃ الاسلام والجہاد! واللہ اکبر! اللہ اکبر! لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد۔

جب کہ ایک دنیا لفظ "جہاد" سے کانپ رہی ہے، جب کہ عالم مسیحی کی نظروں میں یہ لفظ ایک عفریت مہیب یا ایک حربۂ بے امان ہے، جب کہ اسلام کے مدعیانِ حمایت نصف صدی سے کوشش کر رہے ہیں کہ کفر کی رضا کے لئے اسلام کو مجبور کریں، کہ اس لفظ کو اپنی لغت سے نکال دے، جب کہ بظاہر انہوں نے کفر و اسلام کے درمیان ایک راضی نامہ لکھ دیا ہے کہ اسلام لفظ جہاد کو بھلا دیتا ہے، کفر اپنے توحش کو بھول جائے اور جب کہ آج کل کے ملحدین مسلمین اور منفرنجین مفسدین کا ایک حزب الشیطان بے چین ہے کہ بس چلے تو یورپ سے درجۂ تقرب و عبودیت حاصل کرنے کے لئے مرے سے اس لفظ ہی کو قرآن سے نکال دے، تو پھر یہ کیا ہے کہ میں نہ جہاد کو ایک رُکن اسلامی، ایک فرض دینی، ایک حکم شریعت بتلاتا ہوں، بلکہ صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے، دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ اسلام سے اگر جہاد کو الگ کر لیا جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا، جس میں معنی نہیں ہیں، ایک اسم ہوگا، جس کا مسمّٰی نہیں ہے ایک قشر محض ہوگا، جس سے مغز نکال لیا گیا ہے۔ پھر کیا میں ان تمام اعمال مصلحین منفرنجین کو غارت کرنا چاہتا ہوں؟ جو انہوں نے تطبیق بین التوحید والتثلیث

Marfat.com

یا اسلام اور مسیحیت کے عقد اتحاد کے لئے انجام دی ہیں؟ وہ اصلاح جدید کی شاندار عمارتیں جو مغربی تہذیب و شائستگی کی ارض مقدس پہ کھڑی کی گئی ہیں۔ کیا دعوتِ جہاد دے رہی ہیں جنود مجاہدین کو بلاتا ہوں کہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے انہیں پامال کر دیں؟ اور پھر کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کی زندگی کا افق جو حرارت حیات کی گرد سے پاک کر دیا گیا تھا، مجاہدین کی اڑائی ہوئی خاک سے پھر غبار آلود ہو جائے۔؟

ہاں اے غارت گرانِ حقیقتِ اسلامی! اے وزدانِ متاعِ اسلامی! اور اے مفسدینِ ملت و مدعیانِ اصلاح! ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں، میری آنکھیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہیں، میرا دل ایسے ہی وقت کے لئے بے قرار ہے۔ خدائے ابراہیم و محمد علیہما السلام کی شریعت ایسا ہی چاہتی ہے۔ قرآنِ کریم اسی کو حقیقت اسلامی کہتا ہے، وہ اسی اسوۂ حسنہ کی طرف اپنے پیرؤوں کو بلاتا ہے۔ اسلام کا اعتقاد اسی کے لئے ہے، اس کی تمام عبادتیں اسی کے لئے ہیں، اس کے تمام جسم اعمال کی روح یہی شئے ہے اور یہی چیز ہے، جس کی یاد کو اس نے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہا اور عید اضحیٰ کو یوم جشن و مسرت بنایا۔ پس یہ ہے، جس کی طرف میں مسلمانوں کو بلاتا ہوں، پر تمہارے پاس کیا ہے، جس کی طرف تم ہم کو دعوت دیتے ہو؟

حضرت ابراہیمؑ کی بُت شکنی کا واقعہ

عام طور پر مفسرین نے یہ بات تسلیم کر لی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ سے تین موقعوں پر ایسی بات کہی، جس پر بظاہر جھوٹ کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ اس میں سے ایک موقعہ یہ ہے، جب اُن سے پوچھا گیا، "ءانت فعلت ھذا" "کیا تو نے بُتوں کو توڑا ہے؟ تو انہوں نے کہا" بل فعلہ کبیرھم ھذا" بلکہ اس بڑے بُت نے ایسا کیا۔ حالانکہ فی الحقیقت فعل خود انہی کا تھا۔

اس بارے میں استدلال صحاح کی ایک روایت سے کیا جاتا ہے۔ لیکن سب سے پہلے ہمیں خود اس مقام پر تدبّر کرنا چاہیے کہ کیا فی الحقیقت یہاں کوئی ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا ثابت ہو تا ہے خواہ وہ جھوٹ کسی درجہ اور کسی نوعیت کا ہو۔

کیا حضرت ابراہیمؑ نے جھوٹ بولا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ تفسیر قرآن کی تاریخ کی بوالعجبیوں میں اس سے بڑھ کر اور کوئی ناقابلِ توجیہ بوالعجبی نہیں۔ قرآن میں کوئی ایسی بات نہیں، جس سے اس اصدق الصادقین کا جھوٹ بولنا نکلتا ہو لیکن بہ تکلف ایک آیت کو توڑ مروڑ کر ایسا بنایا جا رہا ہے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ بولنے کی بات بن

Marfat.com

جائے اور اثبات کذب کی یہ مبارک کوشش کیوں کی جا رہی ہے؟ صرف اس لئے کہ ایک مزعومہ حدیث موجود ہے۔ پس کہیں یہ قیامت نہ ٹوٹ پڑے کہ اس کے غیر معصوم راویوں کی روایت کمزور مان لینی پڑے۔ گویا اصل اس باب میں غیر معصوم راویوں کا تحفظ ہے نہ کہ معصوم رسولوں کا۔ اور اگر قرآن میں اور کسی روایت میں اختلاف واقع ہو جائے تو قرآن کو روایت کے مطابق بننا پڑے گا۔ راوی کی شہادت اپنی جگہ سے کبھی نہیں ٹل سکتی۔

دعوت و تبلیغ حق

انہوں نے پہلے شرک و بت پرستی کے خلاف عقلِ سلیم کی حجتیں اور وجدانِ صادق کی شہادتیں پیش کیں:- وتلك حجتنا اتیناها ابراهیم علی قومه نرفع درجت من نشاء ان ربك حکیم علیم۔ (۶ : ۸۳) لیکن پھر دیکھا کہ آباؤ اجداد کی تقلید کی ظلمت اس طرح دلوں پر چھا گئی ہے کہ عقل و بینش کی کوئی روشنی بھی انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ ہر حجت و آیت کا جواب ان کی زبانوں سے یہی نکلتا ہے کہ وجدنا اٰباءنا لها عابدین (۲۱ : ۵۳) نیز انہوں نے دیکھا ایک عرصہ کے تعامل و توارث نے لوگوں کی عقلیں یکسر مفلوج کر دی ہیں بتوں کے روحانی اقتدار و تصرف کا عقیدہ ان کی رگ رگ میں سرایت کر گیا ہے۔ ان کی سمجھ میں یہ بات آ ہی نہیں سکتی کہ الوہیت و قدوسیت کی یہ متمثل روحانیتیں جو طرح طرح کے روایتی معجزوں اور الہامی اچنبھوں کا سرچشمہ چلی آتی ہیں، محض بے اختیار مورتیاں ہو جائیں اور جو

Marfat.com

حقیقت ہمارے آباؤ اجداد اور ان کے آباؤ اجداد نہ پا سکے، وہ کل کا ایک نوجوان لڑکا پالے۔ چنانچہ وہ ان کی دعوت و تبلیغ کا تمسخر اُڑاتے اور کہتے:-

اجئتنا بالحق، ام انت من الاعبین؟ (۵۵) فی الحقیقت تمہارا ایسا ہی عقیدہ ہے یا ہم سے ہنسی تمسخر کر رہے ہو؟ یعنی بتوں کی عظمت اور ان کی روحانی اقتدار و تصرف کی ہیبت دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی کہ اس کے خلاف کسی کا بے دھڑک زبان کھولنا ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا۔ وہ حضرت ابراہیمؑ کی باتیں سنتے تو متعجب ہو کر کہتے، تمہارے ہوش و حواس کہاں گئے؟ تم سنجیدگی سے ایک بات کہہ رہے ہو، یا ہم سے مزاح کر رہے ہو؟

قیامِ حجّت کا عملی طریقہ

یہ طریقہ کیا تھا! یہ تھا کہ انہوں نے تمام لوگوں کو کھلا کھلا چیلنج دے دیا:- تاللہ لاکیدن اصنامکم بعد ان تولوا مدبرین۔ یعنی اگر عقل کی کوئی دلیل بھی تمہارے لئے سودمند نہیں۔ تم اپنے اس وہم باطل میں جمے ہوئے ہو کہ یہ مورتیاں طاقت و تصرّف رکھتی ہیں تو اچھا، خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لو، نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ جونہی تم آج اپنے بڑے میلے میں گئے بس تمہارے ان بتوں کے ساتھ ایک داؤ کھیلوں گا۔ اگر فی الحقیقت ان میں طاقت و تصرّف ہے تو وہ کوئی معجزہ دکھا کر اپنے کو بچا لیں یا میرے ہاتھ پاؤں شل کر دیں۔

جب ایک جماعت تقلید و وہم پرستی میں اس درجہ ڈوب جائے کہ تفکر و بصیرت

کی کوئی بات بھی اس کے اندر نہ اُتر سکے، تو پھر اقناعِ فکر کی صرف یہی ایک راہ رہ جاتی ہے کہ ان کی عقل کی جگہ ان کے حواس کو مخاطب کیا جائے۔ اور کوئی ایسی بات کر کے دکھا دی جائے، جس سے ان کی ساری وہم پرستیوں کا بطلان ہو جائے۔ مثلاً ایک بچہ چڑیا کو دیکھ کر ڈرنے لگتا ہے تم ہزار اُسے سمجھاؤ کہ چڑیا کاٹتی نہیں لیکن وہ ماننے والا نہیں۔ اب ایک دانشمند آدمی کیا کرے گا؟ یہ کرے گا کہ دلیلوں کی جگہ مشاہدہ سے کام لے گا۔ وہ اپنی انگلی چڑیا کی چونچ میں ڈال دے گا۔ اور پھر نکال کر بچہ کو دکھا دے گا۔ کہ دیکھ لے، اس نے کاٹا ہے یا نہیں کاٹا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ بچہ کے اندر جس قدر یقین پیدا کر دے گا، وہ ایک سو آدمیوں کی ایک ہزار دلیلوں سے بھی پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی حال عقولِ فاسدہ کا ہے، تم ان کی عقل و فکر سے کچھ نہیں پا سکتے لیکن تم انہیں مشاہدہ کے ذریعہ عاجز کر دے سکتے ہو۔ حضرت ابراہیمؑ نے بالآخر یہی طریقہ اختیار کیا۔ انہوں نے کہا، جس حقیقت کو تم عقل و فکر سے نہیں پا سکے، میں تمہارے مشاہدہ میں لا کر خود تمہاری زبانوں سے اُگلوا لوں گا۔ تمہارے دل میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ ان میں طاقت و تصرف ہے۔ اچھا میں ان پر ہاتھ اُٹھاتا ہوں اب اگر سچ مچ کو ان میں اختیار و تصرف ہے تو یہ اپنے سارے معجزے لے کر نمودار ہو جائیں اور مجھے اس سے روک دیں یا مجھ پر کوئی آسمانی عذاب اُتار دیں۔ لوگوں نے ان کا یہ اعلان سنا، لیکن چونکہ دلوں میں بتوں کی عظمت و تقدیس رچی ہوئی تھی، اس لئے قابلِ التفات نہیں سمجھا، وہ سمجھے یہ ایک مجنونانہ

ٹب ہے۔ بھلا کون ہے جو ان قادر و توانا معبودوں کی جناب میں ایسی جرأت کرسکتا ہے؟ اور اگر کرلے تو اسے اس کی مہلت ہی کب ملے گی؟ نہیں معلوم کیا سے کیا ہو جائے؟

پجاریوں کا اعتراف پر مجبور ہونا

یہ جواب سنتے ہی سب پر سناٹا چھا گیا، کیونکہ اس کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا نہ تو یہ کہہ سکتے تھے کہ مورتی سے امید جواب نہیں۔ نہ مورتی سے سوال ہی کر سکتے تھے، ادھر عوام نتیجہ کے منتظر تھے۔ فرجعوا الی انفسھم "انفسھم" یعنی پجاریوں کی جماعت عوام سے الگ ہو کر آپس میں باتیں کرنے لگی اور چونکہ اب حضرت ابراہیمؑ کا تیر ٹھیک نشانہ پر لگ چکا تھا، اس لئے انہیں اقرار کرنا پڑا:۔ فقالوا انکم انتم الظالمون، بلا شبہ تو سے نافرمانی کرنے والے ہم ہی ہیں۔ ٹھیک بات تو وہی ہے جو ابراہیم کہہ رہا ہے۔ بالآخر مجبور ہوئے کہ جو بات حضرت ابراہیمؑ ان سے کہلوانی چاہتے تھے، وہ سر جھکا کر دبی زبان سے کہہ دیں:۔ لقد علمت ماھؤلاء ینطقون "لقد علمت" یعنی یہ حقیقت تو تجھے معلوم ہو ہی چکی ہے کہ مورتیوں کی صداؤں اور مندر کے لا تعت غیبی کے جوابوں کا معاملہ وہ نہیں ہے جو عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔ مورتیاں بولا نہیں کرتیں۔ پھر تیرا یہ کہنا کہ بڑے بت سے پوچھ کر فیصلہ کر۔ کیا معنی رکھتا ہے؟

تب حضرت ابراہیمؑ نے تمام مجمع سے مخاطب ہو کر نداء حق بلند کر دی:۔

Marfat.com

افتعبدون من دون اللّٰہ ما لا ینفعکم شیئاً و لا یضرکم؟ اف لکم و لما تعبدون من دون اللّٰہ۔ افلا تعقلون؟ (۶۷) جب ان مورتیوں کے نطق و الہام کے سارے قصے من گھڑت ہیں۔ اور ان کی عجز و درماندگی کا یہ حال ہے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، تو پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ اللّٰہ کو چھوڑ کر ان کی پرستش پر جم گئے ہو؟ کیا اتنی موٹی بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟

اثباتِ کذب کے لئے ایک غلط توجیہ

چونکہ ہمارے مفسروں کے سامنے ایک روایت موجود تھی، اور اس کی تعمیل میں ضروری سمجھتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح جھوٹ کی بات بن جائے، اس لئے انہوں نے کوشش کی کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے، وہ محذوف بنا کر بڑھا دی جائے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے قول تاللّٰہ لاکیدن اصنامکم کو سلسلۂ بیان سے الگ کر لیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ بات انہوں نے مخاطبوں سے نہیں کہی تھی، اپنے جی میں کہی تھی، یعنی ان کا اعلان نہ تھا۔ جی ہی جی میں ایک سازش سوچی تھی، لیکن یہ محض رائے سے قرآن کے مطالب میں اضافہ کرنا ہے۔ قرآن میں یہ کہیں نہیں ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے جی میں کہا تھا۔ وہ تو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ موقعہ مخاطبہ اور مکالمہ کا تھا۔ اور جب پجاریوں نے یہ بات کہی کہ اجئتنا بالحق ام انت من اللاعبین؟ تو اس کے جواب میں حضرت ابراہیمؑ نے اعلان کیا۔ علاوہ بریں اس طرح کے محذوفات جبھی تسلیم کئے جا سکتے ہیں جب کہ کوئی

Marfat.com

قطعی قرینہ موجود ہو۔ یہاں بجز اس ضرورت کے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کذب گو بنایا جائے، اور کون سی ضرورت لاحق ہوگئی ہے کہ یہ محذوف گھڑ لیا گیا؟

روایتِ صحیحین باقی رہی صحیحین کی روایت کہ لم یکذب ابراھیم فی شیئ قط الا ثلاث کلھن فی اللّٰہ الخ تو اگرچہ اس کی توجیہ و تاویل کی بہت سی راہیں لوگوں نے کھول لی ہیں، مگر صاف بات وہی ہے جو امام ابو حنیفہؒ کی طرف منسوب ہے اور جسے امام رازی نے بھی دُہرایا ہے، یعنی ہمارے لئے یہ تسلیم کر لینا نہایت آسان ہے کہ ایک غیر معصوم راوی سے فہم و تعبیر حدیث میں غلطی ہو گئی، بہ مقابلہ اس کے کہ ایک معصوم اور برگزیدہ پیغمبر کو جھوٹا تسلیم کر لیں۔ اگر ایک راوی کی جگہ سینکڑوں راویوں کی روایت بھی ناقص ٹھہر جائے، تو بہر حال غیر معصوم انسانوں کی غلطی ہوگی، لیکن اگر ایک معصوم پیغمبر کو بھی غلط بیان تسلیم کر لیا گیا، تو نبوّت و وحی کی ساری عمارت درہم برہم ہو گئی۔

مسلکِ تحقیق (۱) قرآن کے بعد دین کی اُن تمام کتابوں میں جو انسانوں کی ترتیب دی ہوئی ہیں، سب سے زیادہ صحیح کتاب جامع بخاری اور جامع مسلم ہے اور ان کی ترجیح محض ان کی شروط ہی کی بنا پر نہیں ہے بلکہ شہرت اور قبول کی بنا پر ہے۔ "شہرت" یہ کہ ایک کتاب علم و نظر کے تمام عہدوں اور طبقوں میں عالمگیر طور پر مشہور رہی ہو اور اہلِ علم نسلاً بعد نسلٍ اسکی صحت و فضیلت پر مہریں لگاتے رہے ہوں۔ "قبول" یہ کہ وہ تمام اُمت کی نظر و بحث کا مرکز بن گئی ہو۔ ہر عہد اور ہر طبقہ

ہیں بے شمار ناقدوں اور محققوں نے اس کی ایک ایک روایت، ایک ایک راوی، ایک ایک متن، ایک ایک لفظ پر ہر طرح کی بحثیں کی ہوں، ہر طریقہ سے جانچا ہو، ہر طرح کی نگاہیں ردّ و قبول کی ڈالی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ موافق و مخالف شرحیں لکھی ہوں۔ زیادہ سے زیادہ درس و تدریس میں مانجھتے رہے ہوں اور پھر بھی اسکی مقبولیت ایک قلم بے دارغ رہی ہو۔ چونکہ یہ دو باتیں تاریخ اسلام میں صرف ان ہی دو کتابوں کے حصے میں آئی ہیں اور لیس لھما ثالث، اس لئے ان کی ہستی بجائے خود ایک دلیل صحت ہو گئی ہے اور بلا شبہ جب کبھی اختلاف ہوگا، تو صحیحین کی روایت محض اس لئے بھی قوی تر سمجھی جائے گی، کہ وہ صحیحین کی روایت ہے۔ دوسرے جامع کی روایات کتنی ہی شروط بخاری و مسلم پر نکال کر دکھادی جائیں، لیکن وہ اس کی قیمت کا ہم پلہ نہیں ہو سکتیں۔

(ب) لیکن یہ جو کچھ ہے، ان کی صحت کا اعتقاد ہے، یعنی ایسی صحت کا جیسی اور جس درجہ کی صحت ایک غیر معصوم انسان کے اختیارات کی ہو سکتی ہے۔ عصمت کا اعتقاد نہیں ہے اور اس لئے اگر کوئی روایت شاذ یقینیات قطعیہ قرآنیہ سے معارض ہو جائے گی، تو ہم ایک لمحہ کے لئے بھی اس کی تضعیف میں تامل نہیں کرینگے؟ کیونکہ اصل ہر حال میں قرآن ہے، جس کا تواتر یقینی اور جس کی قطعیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ہر انسانی شہادت اس پر کسی جائے گی۔ وہ کسی غیر معصوم شہادت اور رائے پر کسا نہیں جا سکتا کہ:-

غرض اندر میان سلامت اوست

اور پھر ہم دیکھ رہے ہیں کہ محققینِ حدیث نے اس باب میں کبھی اربابِ جمود و تقلید کا شیوۂ اعمیٰ اختیار نہیں کیا۔ یہ بخاری کی روایتِ اسریٰ شریک بن عبداللہ بن ابی نمر کی ہے، جس کی نسبت تمام محققین نے بے تامل تصریح کر دی کہ شریک کو غلط فہمی ہوئی اور صحیح بات وہی ہے جو مسلم کی روایت انس بن مالک میں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم کی حدیث خلق اللہ التربۃ یوم السبت کی نسبت تمام محققین نے اتفاق کیا۔ اس کا رفع ثابت نہیں اور اسرائیلیات سے ماخوذ ہے، پھر اگر اسی طرح صحیحین کی یہ روایت بھی رد کر دی گئی کہ ابراہیم خلیل ؑ کی صداقت ردّ نہ کرنی پڑے، تو کونسی قیامت ٹوٹ پڑے گی ؛

Marfat.com

اسوۂ ابراہیمؑ

عبد المجید قریشی

حمید انور

گوشۂ ادب۔ چوک انارکلی لاہور

Marfat.com